# موجودہ حالات
# اور
# ہماری ذمّہ داریاں

تالیف
مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب
مہتمم و شیخ الحدیث: جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد
خلیفہ مجاز: عارف باللہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نوراللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# موجودہ حالات اور

## ہماری ذمہ داریاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# موجودہ حالات

# اور

# ہماری ذمہ داریاں

تالیف:


مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب

مہتمم وشیخ الحدیث

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

وخلیفہ مجاز: عارف باللہ حضرت مولانا

شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہ

Mobile: **09412866177**



ناشر:

مرکز الکوثر التعلیمی والخیری

مرادآباد

# تفصیلات


| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں |
| تالیف | : | مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب<br>شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد |
| طبع اول | : | ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۷ء |
| کمپوزنگ | : | محمد شعیب قاسمی |
| صفحات | : | ۱۱۸ |
| باہتمام | : | مرکز الکوثر التعلیمی والخیری مرادآباد |
| ناشر | : | فرید بک ڈپو دہلی |
| قیمت | : | |

**ملنے کے پتے**:

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد یوپی

فرید بک ڈپو دہلی

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

مکتبہ الفرقان لکھنؤ

اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی

مرکز دعوت وارشاد دارالعلوم الاسلامیہ بستی یوپی

مولانا عبدالسلام خان قاسمی 179 کتاب مارکیٹ، وزیر بلڈنگ، بھنڈی بازار ممبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مندرجات

# پیشِ گفتار

**الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. اما بعد!**

امت مسلمہ موجودہ حالات میں آزمائشوں اور کشمکشوں کے عجیب دوراہے پر کھڑی ہے، داخلی اور خارجی فتنے امت کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، دنیا کے ہر خطے میں بالعموم اور ہندوستان میں بطور خاص امت اور اس کے افراد ہر سطح پر اور ہر میدان میں بے وزنی اور بے وقاری کی صورت حال کا سامنا کر رہے ہیں۔

ان حالات کے ردعمل میں مایوسی اور پست ہمتی کی سنگین فضا پیدا ہو رہی ہے، امت کے اکثر افراد بددلی کے شکار ہو رہے ہیں، انہیں اپنا مستقبل بہت تاریک نظر آرہا ہے، ایک بڑی تعداد ان حالات میں دنیا کے جھوٹے سہاروں پر تکیہ کرتے ہوئے اپنے رب حقیقی سے غافل ہو چکی ہے، اس وقت اولین طور پر اہل فکر علماء وقائدین کی بنیادی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ امت کو مایوسی اور غلط روی کی اس روش سے پوری قوت سے روکیں، اور اس سیلابِ بلاخیز کے آگے بند لگائیں، اور حالات کی ان ظلمتوں میں روشن مستقبل نمودار کرنے کے لئے امت کو کیا اقدامات کرنے ہوں گے، کیا لائحہ عمل ہوگا، اور کون سی سمت اختیار کرنی ہوگی، اس طرف متوجہ کریں۔

ملک کے موجودہ منظر نامے میں پچھلے تقریباً ایک سال سے اس حقیر کو اس موضوع پر عوام وخواص کے مختلف مجمعوں میں اظہار خیال کی سعادت بار بار میسر آتی رہی ہے، اور ہر بار یہ خیال بھی آتا رہا ہے کہ اس موضوع پر مختصر اور جامع تحریر بھی مرتب ہو جائے تا کہ افادہ کا

دائرہ عام ہوسکے۔

بالآخر مختلف مرحلوں میں کوشش کے بعد اب یہ تحریر مرتب ہوکر طبع ہونے جارہی ہے، اس میں ناموافق حالات کو سازگار بنانے کے لئے امت کے اصل ایجنڈے اور بنیادی ذمہ داریوں کو اصل موضوع بنایا گیا ہے، قرآن وسنت، سیرت نبوی اور اسوۂ صحابہ کے کچھ نمونے بھی جا بجا ذکر کردیئے گئے ہیں، بطور خاص وحدت امت کی اہمیت اور اس راہ میں حائل رکاوٹوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، معاصر حالات میں اہل علم کے فرض منصبی کا بھی ذکر آ گیا ہے، اور نصرت الٰہی کے حصول کی بنیادی شرطوں اور تدبیروں کو بھی مختصراً ذکر کردیا گیا ہے، اس طرح سے یہ تحریر مجموعی اعتبار سے موضوع کے اکثر پہلوؤں کو جامع اور محیط ہوگئی ہے، اور یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کی روشنی میں اپنے مستقبل کا ایجنڈا، کام اور اس کے خطوط بآسانی طے کئے جاسکتے ہیں۔

حالات کی تبدیلی اللہ رب العزت کے اختیار میں ہے، مگر مذکورہ تدبیروں کو اختیار کرنا ہمارا فرض ہے، اور اس فرض کی دیانتدارانہ اور مسلسل انجام دہی پر ہی اللہ رب العزت کی طرف سے حالات تبدیل کئے جانے کی صراحت قرآن میں موجود ہے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس کاوش کو حسنِ قبول عطا فرمائے اور اس حقیر کو اپنی رحمتِ تمام سے سرفراز فرمائے، **وماذلک علی اللّٰہ بعزیز.**

محمد اسجد قاسمی ندوی

خادم الحدیث النبوی الشریف جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

۱۱؍صفر المظفر ۱۴۳۹ھ مطابق یکم نومبر ۲۰۱۷ء

# موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں

امت مسلمہ موجودہ ملکی وعالمی حالات کے تناظر میں اپنی تاریخ کے انتہائی سیاہ اور بدتر دور سے گزر رہی ہے، عرب وعجم کے تمام خطے خونِ مسلم سے لالہ زار بنے ہوئے ہیں، امت مظلومیت اور نکبت کی ناقابل بیان فضا میں گذر بسر کر رہی ہے۔

پچھلے کچھ عرصہ سے بطور خاص مرکزِ اقتدار مجرمانہ اور فرقہ پرستانہ ریکارڈ رکھنے والوں کے ہاتھوں میں منتقل ہونے کے بعد سے وطن عزیز ہندوستان میں مسلم اقلیت کو جس طرح ہر محاذ پر ٹارگٹ کیا جارہا ہے اور جان ومال وآبرو کے ضیاع ونقصان کے جو بے شمار واقعات پیش آرہے ہیں، اس صورت حال نے امت کو عجب دوراہے پر لا کھڑا کر دیا ہے، اور بہت سے ذہنوں میں یہ سوال ابھرنے لگا ہے

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

اس سے بھی زیادہ الم ناک صورتحال برما کے مظلوم، بے گھر اور بے آسرا مسلمانوں کی ہے جن کی مظلومیت کے اظہار اور ستم ڈھانے والے بدھسٹوں کی بربریت و وحشت کے بیان کے لئے الفاظ بھی نہیں ملتے، ایک عرصے سے شام کے مسلمانوں کے ساتھ بھی کچھ ایسے ہی حالات ہیں۔

## خطرناک حالات میں امت کا ردعمل

پورے عالم میں بالعموم اور ہندوستان میں بطور خاص امت مسلمہ کی اس صورت حال

پرغور کیا جائے تو امت کے افراد کی طرف سے تین طرح کے ردعمل سامنے آتے ہیں:

(۱) پہلا ردعمل امت کی اکثریت کا ہے، اور وہ مایوسی ، ناامیدی ، خوف ،شکست خوردگی ، پژمردگی اور مکمل پسپائی جیسی کیفیات کا ہے،امت کے بیشتر افراد اور طبقات ان خطرناک حالات میں ایسا لگتا ہے کہ بالکل مایوس و ناامید ہو چکے ہیں،ان کے حوصلے جواب دے چکے ہیں،ہمتیں پست ہوچکی ہیں،عزائم اور ولولے ماند پڑ چکے ہیں،انہیں حالات کی تاریکیوں میں امید اور کامیابی کا کوئی چراغ بھی نظر نہیں آ رہا ہے، وہ بالکل سرینڈر کر چکے ہیں اور اپنے لئے عافیت گاہیں تلاش کر رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ ردعمل انتہائی افسوس ناک بھی ہے اور امت کو تباہی اور ذلت کے مہیب غار میں پورے طور پر دھکیل دینے والا بھی ہے،قرآنی صراحتوں کے مطابق امت مسلمہ کے لئے کسی بھی طرح کے حالات میں مایوسی اور ناامیدی کی کوئی گنجائش نہیں ہے،اور یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ مایوسی اور ناامیدی کافروں اور گمراہوں ہی کا شیوہ ہے:

**وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّآلُّونَ.** (الحجر:٥٦)

اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کون ناامید ہوسکتا ہے؟

اور

**وَلاَ تَيْأَسُواْ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لاَ يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللّهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ.** (یوسف: ٨٧)

اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، یقین جانو اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

(۲) دوسرا ردعمل امت کے ایک بہت بڑے طبقے کی طرف سے یہ آیا ہے کہ وہ حالات کی خطرناکیوں میں اپنے مالک حقیقی کی طرف رجوع ہونے کے بجائے دنیا کے سیاسی اور سماجی جھوٹے اور کھوکھلے سہاروں کی تلاش میں دردر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے، اس طبقہ کو اپنے

مسائل کا حل اور اپنی مشکل کا علاج دنیا کے ان سہاروں سے مربوط ہونے میں نظر آرہا ہے۔

واضح رہنا چاہئے کہ دنیا کے تمام سہارے خواہ وہ کتنے خوش نما اور مضبوط کیوں نہ نظر آئیں، اللہ کی قدرت کے مقابلے میں مکڑی کے جالے سے زیادہ کوئی قیمت نہیں رکھتے، اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ سے لو لگانے کے بجائے دوسرے سہاروں کی تلاش انسان کو ایمان سے دور، کفر سے قریب اور اللہ کی مدد سے محروم کردیتی ہے، اللہ کی نصرت اور مدد کا قانون اور فارمولہ قرآن میں بار بار بیان ہوا ہے، اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ کی نصرت انہیں کے لئے ہے جو اس سے لو لگائیں اور اس کو ملجا و ماوی سمجھیں، اس کی پناہ گاہ کو اصل باور کریں اور اس کے نظام سے وابستہ رہیں۔

فرمایا گیا:

**يَـا أَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ.** (محمد:۷)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔

**وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ.** (الحج:۴۰)

اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کریں گے، بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔

**وَكَانَ حَقّاً عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ.** (الروم:۴۷)

اور ہم نے یہ ذمہ داری لی تھی کہ ایمان والوں کی مدد کریں۔

**وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْن.** (آل عمران: ۱۳۹)

اگر تم واقعی مؤمن رہو تو تم ہی سربلند ہوگے۔

(۳) تیسرا ردعمل ایسے حالات میں مٹھی بھر مخلص، باحمیت اور کامل الایمان افراد کا ہوتا ہے جن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو خطرناک حالات میں بھی امید کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیتے، ان کے حوصلوں اور ولولوں میں فرق نہیں آتا، بلکہ صورت حال جتنی بھی نازک ہوتی جاتی ہے، اپنے رب کے نظام پر اور اس کی قدرت مطلقہ، علم کامل اور حکمت بالغہ پر ان کا یقین اور فزوں ہوتا جاتا ہے، ان کی نگاہِ بصیرت یہ دیکھ رہی ہوتی ہے کہ ظلمتِ شب جتنی گھنی ہوتی جاتی ہے، طلوعِ سحر کے لمحات اتنے ہی قریب ہوتے جاتے ہیں، ظلم وستم کا طوفان جس قدر تند وتیز ہوگا، بارگاہِ رب العزت سے مظلوموں کی نصرت اور ظالموں کے کیفرِ کردار تک پہونچنے کے فیصلے اتنی ہی جلد ظاہر ہوں گے، اور یہ منظر سامنے آئے گا کہ ؎

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

جدید علم نفسیات میں Resilience (ارتجاعیت) ایک اصطلاح ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کو جس قدر دبایا اور کچلا جائے آپ اسپرنگ کی مانند مزید طاقت کے ساتھ اپنے کھوئے ہوئے مقام ووقار کو دوبارہ حاصل کر کے رہیں۔

مضبوط ایمان رکھنے والے افراد ذلت وناکامی کے حالات سے سبق لیتے ہیں، اپنی مخفی تعمیری قوتوں کو بیدار کرتے ہیں، اپنے اصول واقدار سے مستحکم وابستگی، ایمان، یقین، مثبت اندازِ فکر، جذبات پر قابو یابی اور حوصلہ مندی کے ساتھ قدم آگے بڑھاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی قوت بڑھتی چلی جاتی ہے، رفتار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، نئی راہیں کھلتی ہیں اور مستقبل میں کامیابی کی بہت سی منزلیں ان کے خیر مقدم کو تیار ہوتی ہیں۔

یہ مخلص افراد قنوطیت اور پست ہمتی کا شکار ہونے کے بجائے بصیرت وفراست سے حالات کا سچا تجزیہ کرتے ہیں، اپنے ماضی کی کمیوں اور خامیوں کا بے لاگ محاسبہ کرتے ہیں، ان کا ازالہ کرنے کی فکر کرتے ہیں، اپنے روشن مستقبل کی تعمیر کے لئے ٹھوس منصوبہ بندی کرتے ہیں اور اپنے مالک حقیقی کی طرف مکمل رجوع کی اصل تدبیر کے ساتھ حالات کی تبدیلی کے لئے تمام ممکنہ اسباب و وسائل اختیار کرتے ہیں، اور اس سفر میں ان کے قلب کا خلوص، اور ان کے اندر کا درد ان کا رفیق اور زادراہ ہوتا ہے، بالآخر اللہ کی نصرت ان پر سایہ فگن ہوتی ہے اور انہیں منزل مراد عطا ہو جاتی ہے۔

## موجودہ مسلم اقلیت اور مکہ کی مسلم اقلیت

ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے آج کے حالات بہت حد تک چودہ صدی قبل مکہ المکرّمہ کے مسلمانوں کے حالات سے مطابقت رکھتے ہیں۔

(۱) اس دور میں مکہ میں مسلمان اقلیت میں تھے، آج ہم بھی ہندوستان میں اقلیت میں ہیں۔

(۲) اس دور میں مکہ میں مسلمان مظلوم تھے، آج ہم بھی ہندوستان میں مظلوم ہیں۔

(۳) ان کا سامنا غیر مسلم اکثریت سے تھا، آج ہمارا بھی سامنا غیر مسلم اکثریت سے ہے۔

لیکن اس تطابق کے ساتھ ہم میں اور ان میں:

ایک فرق یہ ہے کہ ان کی تعداد بہت کم تھی، وہ مکہ کی آبادی کا بہت قلیل حصہ تھے اور ہم تعداد میں بہت بڑھے ہوئے ہیں، اور اس ملک کی آبادی کا کم از کم بیس فیصد ہیں۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ وہ ظاہری اسباب کے لحاظ سے بہت کم زور تھے، اور ہم اس لحاظ سے ان کی بہ نسبت مضبوط ہیں۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ ان کا سامنا جس غیر مسلم اکثریت سے تھا وہ صد فی صد دشمن تھی، مکہ کے اس ماحول میں کوئی ایک زبان بھی ان کو اپنی مؤید نہیں ملتی تھی، کوئی ایک ہاتھ بھی ان کا سہارا نہیں ہوتا تھا، جب کہ ہم اس ملک میں جس غیر مسلم اکثریت کے درمیان ہیں ان کا ایک بڑا حصہ حالات کی تمام ناسازگاریوں کے باوجود انصاف، مساوات، سچائی اور رواداری کا علم بردار ہے۔

قرآن نے مکی مسلمانوں کی صورت حال کا سچا نقشہ کھینچا ہے:

**وَاذْكُرُوا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ.**

(الانفال:٢٦)

اور وہ وقت یاد کرو جب تم تعداد میں تھوڑے تھے، تمہیں لوگوں نے تمہاری سرزمین میں دبا کر رکھا ہوا تھا، تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک کر لے جائیں گے، پھر اللہ نے تمہیں ٹھکانا دیا اور اپنی مدد سے تمہیں مضبوط بنادیا۔

اس صورت حال میں ہمارے لئے بہت نمایاں سبق اور پیغام یہ ہے کہ جب انتہائی قلیل تعداد میں انتہائی کمزور اور سو فی صد دشمن اکثریت کے نرغے میں ہونے کے باوجود مکہ کے مسلمان مایوسی اور ناامیدی کے شکار نہیں ہوئے، بلکہ اپنے موقف پر ثابت قدم اور اپنے مشن پر قائم رہے، بالآخر چند ہی سالوں میں حالات نے کروٹ لی اور اللہ کی نصرت نے انہیں کھلی فتح سے ہم کنار کیا۔

آج کے حالات میں ہمارے لئے انہیں مسلمانوں کا کردار سب سے روشن نمونہ اور رہنما ہے، اور اسی روشنی میں ہم قدم بڑھائیں تو منزل ہماری دسترس میں ہوگی۔

# مشکل حالات کا راز

قرآن واضح کرتا ہے کہ مشکل حالات امتوں پر یا تو اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتے ہیں یا بداعمالیوں کا وبال اور سزا ہوتے ہیں، موجودہ حالات میں ہمارے لئے دونوں پہلو ہیں اور دونوں قابل غور ہیں۔

ایک طرف یہ حقیقت ہے کہ اللہ کا قانون اس کائنات میں آزمائش کا قانون ہے، اور اس قانون سے ہر ایک کو گزارا جاتا ہے، قرآن بار بار اسے بیان کرتا ہے، چنانچہ فرمایا گیا:

**وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الأَمْوَالِ وَالأنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ**. (البقرہ:١٥٥)

ہم تم کو خوف، بھوک، مال، جانوں اور پھلوں کے کچھ نقصان سے ضرور ہی آزمائیں گے۔

یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ مسلمانوں کو ضرور آزمایا جائے گا، اور ابتلاء و آزمائش مختلف شکلوں میں ہوگی۔

(۱) چنانچہ کبھی خوف و دہشت کے حالات آئیں گے، جان، مال و آبرو کے تعلق سے غیر یقینی صورت حال درپیش ہوگی، امت کا موجودہ منظر نامہ اس کی تائید کر رہا ہے۔

(۲) کبھی معاشی نقصانات کا سامنا ہوگا، یہ معاشی نقصانات فاقوں کی شکل میں بھی ظاہر ہوتے ہیں، کاروباری رکاوٹوں کی شکل میں بھی ظاہر ہوتے ہیں اور ملازمتوں کے دروازے بند کئے جانے کی صورت میں بھی سامنے آتے ہیں۔

(۳) جانی نقصانات سے آزمایا جائے گا، پوری دنیا میں امت کے ساتھ یہ عجب معاملہ ہے کہ ہر جگہ ؏

مانند آب ارزاں ہے مسلماں کا لہو

(۴) قرآن نے پھلوں کے نقصانات سے آزمائے جانے کا ذکر فرمایا ہے، پھلوں میں تمام منافع آجاتے ہیں، اور خصوصیت سے اس سے اولاد بھی مراد ہوتی ہے، والدین کے سامنے اولاد کا بے دردانہ و بے رحمانہ قتل، یا ایذاء وتعزیب یا بے قصور گرفتاری اور اسیری سب اس میں شامل ہیں۔

سورۃ العنکبوت میں فرمایا گیا:

**الـم أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِيْنَ.** (العنکبوت: ۱،۲)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس وہ یہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور ان کو آزمایا نہ جائے؟ حالانکہ ہم نے ان سب کی آزمائش کی ہے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں، لہذا اللہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ہیں جنہوں نے سچائی سے کام لیا ہے، اور وہ یہ بھی معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ جھوٹے ہیں۔

یہ وضاحت اس وقت فرمائی گئی تھی جب مکۃ المکرّمہ میں مسلمانوں کو ان کے دشمنوں کی طرف سے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑ رہی تھی، اور مسلمان پریشان ہو رہے تھے، اس وقت مسلمانوں سے فرمایا گیا تھا کہ اللہ نے اہل ایمان کے لئے جنت اور آخرت کی جو کامیابی طے کر دی ہے وہ اتنی سستی نہیں ہے کہ بغیر کسی تکلیف کے مل جائے، ایمان کے بعد ان کو مختلف آزمائشوں سے گزرنا ہی ہوتا ہے، اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ یہ تکلیف عارضی ہے، بالآخر وہ وقت آئے گا جب ظالم کیفر کردار کو پہونچ جائیں گے اور حق کو غلبہ عطا ہوگا۔

اسی مضمون کو سورۃ البقرۃ میں اس طرح واضح کیا گیا ہے:

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُواْ حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ. (البقرة:٢١٤)

کیا تم نے یہ باور کرر کھا ہے کہ تم سابق اہل ایمان پر گزرے حالات سے گزرے بغیر یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے، ان پر سختیاں اور مصائب آئے، انہیں ہلا دیا گیا، یہاں تک رسول اور ان کے ساتھی پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی، سنو، اللہ کی مدد آنے کو ہے۔

ان تمام آیات کے ذریعہ یہ بتا دیا گیا کہ آزمائشوں کی بھٹی میں اہل ایمان کو تپایا ضرور جائے گا، اب جو سچے اہل ایمان ہوں گے وہ حالات ومصائب میں اور زیادہ ثابت قدم، راضی برضا اور سرِ تسلیم خم کرنے والے رہیں گے، اور ان کے ایمان واطاعت میں ذرا بھی تزلزل نہیں آئے گا، بلکہ وہ ہر آن اور ہر لمحہ بڑھتا ہی جائے گا۔

مؤمن صادق کی پہچان ہی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی خاطر مشقتیں اٹھائے، جان و مال کا زیاں برداشت کرے، ہر طرح کی سختیاں جھیل جائے، خطرات ومصائب کا مقابلہ کرے، کسی طرح کی ترغیبات وتحریصات اور تہدید وخوف کے دام میں نہ الجھے، اپنی ہر عزیز و محبوب چیز کی قربانی برضائے قلب پیش کرے، اہل ایمان پر مصائب ومشکلات کے طوفان میں جب بھی خوف وگھبراہٹ طاری ہوئی ہے، ہر اس موقعہ پر قرآن نے یہی بات دہرائی ہے، ہجرت مدینہ کے بعد معاشی واقتصادی دقتیں، بیرونی دشمن کے خطرات، اندر سے یہود و منافقین کی ریشہ دوانیاں، اور ان کے علاوہ متعدد مشکلات تھیں جو اہل ایمان کو پریشان و مضطرب کئے ہوئے تھیں، قرآن نے اس وقت یہی فرمایا تھا کہ آزمائشوں کے مرحلہ سے

گزرنا ضرور ہے، اس کے بغیر نصرت الٰہی کا وعدہ پورا نہ ہوگا، غزوۂ احد کے موقع پر بھی یہی فرمایا گیا کہ:

**أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ.** (آل عمران:١٤٢)

کیا تم نے یہ باور کر رکھا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے مجاہد کون ہیں اور ثابت قدم و پامرد کون ہیں۔

**مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ.** (آل عمران:١٧٩)

اللہ کی حکمت کے خلاف ہے کہ مؤمنوں کو اسی طرح رہنے دے جس طرح وہ اب ہیں کہ سچے اور جھوٹے مدعیان ایمان خلط ملط ہیں، اللہ باز نہ رہے گا جب تک خبیث وطیب کو چھانٹ کر الگ الگ نہ کر دے۔

واضح فرما دیا گیا ہے کہ آزمائش ہی واحد کسوٹی ہے جس سے کھرا اور کھوٹا پرکھا جاتا ہے، آزمائشوں کے موقعوں پر کھوٹا خود بخود صراط مستقیم سے منحرف و برگشتہ ہو جاتا ہے، اور کھرا ثابت قدم رہتا ہے، خدا کی عنایات ونوازشات انہیں پر برستی اور اترتی ہیں جو راست رو اور ثابت قدم ہوتے ہیں، ہر آزمائش میں کھرے ثابت ہوتے ہیں، اور بزدلی سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

تاریخ کے ہر دور میں یہی ہوا ہے کہ کھرے اور کھوٹے کی پرکھ کے لئے اہل ایمان کو آزمائشوں کی بھٹی میں ڈال کر تپایا ضرور گیا ہے، پھر جو کھرے اترے ہیں انہیں دنیا وعقبیٰ کی فلاح کی ضمانت دی گئی ہے اور انہیں کے بارے میں کہا گیا ہے:

**أُولَـئِکَ حِـزْبُ الـلَّـهِ أَلَا إِنَّ حِـزْبَ الـلَّـهِ هُـمُ الْمُفْلِحُونَ.** (المجادلة:۲۲)

یہ اللہ کا گروہ ہے جس کے حق میں فلاح لکھ دی گئی ہے۔

اور جو زور وشور سے دعوائے ایمان تو کرتے ہیں مگر آزمائشوں میں کھوٹے اترتے ہیں، ان کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے اور انہیں شیطان کا گروہ بتایا گیا ہے جس کے لئے خسارہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے:

**أُولَئِکَ حِزْبُ الشَّیْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّیْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ.** (المجادلة:۱۹)

یہ شیطان کا گروہ ہے، یادرکھو شیطان کا گروہ ہی نامراد ہونے والا ہے۔

قرآن ان کے بارے میں کہتا ہے:

**وَمِـنَ الـنَّـاسِ مَـن یَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِیَ فِیْ اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ کَعَذَابِ اللَّهِ.** (العنکبوت:۱۰)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے مگر جب راہ خدا میں وہ ستائے گئے تو وہ انسانوں کی سزا سے ایسے ڈرے جیسے اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے تھا۔

ہر دور میں انبیاء اور ان کے اہل عزیمت پیروکاروں کو آزمائشوں کا سامنا رہا ہے، حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے:

**اَشَدُّ النَّاسِ بَلاءً الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ،یُبْتَلَی الرَّجُلُ عَلَی حَسَبِ دِیْنِهِ.** (مشکوة المصابیح: کتاب الجنائز: باب عیادة المریض)

سب سے سخت آزمائش انبیا کی ہوتی ہے، پھر درجہ بہ درجہ اہل ایمان کی، آدمی کو اس کے دین کی مضبوطی کے اعتبار سے آزمایا جاتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کو داخلی و خارجی ہر سطح پر آزمائشوں اور حالات سے دوچار ہونا پڑا، خود سید الانبیاء محمد عربی ﷺ پر ظلم وستم کا پہاڑ توڑا گیا، شعب ابی طالب کا مقاطعہ، واقعۂ طائف، منصوبۂ قتل، ہجرت، احد کے حالات واضح نمونے ہیں، مگر ان تمام آزمائشوں میں آپ ﷺ صبر کا کوہ گراں بنے رہے۔

مکی زندگی کے تیرہ سال اور مدنی زندگی میں فتح مکہ سے پہلے آٹھ سال مسائل، مظلومیت اور ابتلاء کے سال رہے، اور متنوع آزمائشوں سے آپ ﷺ کو اور پورے کاروانِ حق کو گزارا گیا، تاکہ بعد میں آنے والی پوری امت مسلمہ کے سامنے آزمائشوں کے تمام حالات میں آپ ﷺ کا اسوۂ مبارکہ خضر راہ ثابت ہو اور ان کے قدم ڈگمگانے نہ دے اور ان کی استقامت میں فرق نہ آنے پائے۔

سیرت صحابہ میں حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس حوالہ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے، راہ حق میں انہیں بے پناہ اذیتوں سے گزرنا پڑا، انہیں آگ کی سلاخوں سے داغا گیا، آگ کے دہکتے شعلوں پر چت لٹایا گیا، ان کی پشت کی چربی سے آگ بجھی، ہر طرح کے ظلم سہنے کے بعد بھی کافروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ کہتے رہے کہ: کافرو تم مرو پھر زندہ ہو جاؤ، تب بھی میں یہ دین نہیں چھوڑ سکتا، ظلم وستم حد سے تجاوز ہونے کے بعد دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے، عرض کیا:

**أَلاَ تَسْتَنْصِرُ لَنَا، أَلاَ تَدْعُوْلَنَا ؟**

کیا آپ ہمارے لئے اللہ سے مدد نہیں مانگیں گے، کیا آپ ہمارے لئے اللہ سے دعاء نہیں کریں گے؟

یہ سن کر آپ ﷺ کے رخِ انور کا رنگ متغیر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا:

**قَدْ كَانَ مَن قَبْلَكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ، فَيُحْفَرُلَهُ فِي**

**الأَرُضِ، فَيُجُعَلُ فِيُهَا، ثُمَّ يُؤُتَى بِالُمِنُشَارِ، فَيُوُضَعُ عَلَى رَأُسِهِ،فَيُجُعَلُ نِصُفَيُنِ، وَيُمُشَطُ بِأَمُشَاطِ الُحَدِيُدِ مَا دُوُنَ لَحُمِهِ وَعَظُمِهِ، مَا يَصُدُّهُ ذٰلِکَ عَنُ دِيُنِهِ، وَاللّٰهِ لَيُتِمَّنَّ اللّٰهُ هَذَا الأَمُرَ، وَلَكِنَّكُمُ تَسُتَعُجِلُوُنَ.** (بخاری: المناقب: باب علامات النبوۃ)

تم سے پہلے اہل ایمان پر اس سے زیادہ ظلم ہو چکے ہیں، ان کے گوشت کو لوہے کی کنگھیوں سے نکالا جاتا تھا، ان کے سروں پر آرے چلائے جاتے تھے، سروں سے نیچے تک ان کے جسموں کے دو ٹکڑے کئے جاتے تھے، پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے تھے، خدا کی قسم: اللہ اس دین کو مکمل کر کے رہے گا، مگر تم جلد بازی کرتے ہو۔

غور فرمایئے: یہ آپ ﷺ کی طرف سے استقامت کی تلقین تھی، یہ جمائے رکھنے کا انداز تھا، یہ حوصلہ بڑھانے کی ادا تھی۔

احادیث مبارکہ میں اس حوالے سے جگہ جگہ امت کی ذہن سازی اور تربیت کی گئی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

**إِنَّ عُظُمَ الُجَزَاءِ مَعَ عُظُمِ الُبَلاَءِ، وَإِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ اِذَا اَحَبَّ قَوُماً اِبُتَلاهُمُ، فَمَنُ رَضِىَ فَلَهُ الرِّضَا وَ مَنُ سَخِطَ فَلَهُ السُّخُطُ.** (ترمذی : باب ما جاء فی الصبر علی البلاء)

جتنی بڑی آزمائش ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ اجر ہوتا ہے، اللہ عزوجل جب کسی قوم سے محبت سے فرماتے ہیں، اسے آزمائش میں مبتلا کرتے ہیں، جو آزمائش پر راضی رہتا ہے اسے اللہ کی رضا میسر آتی ہے، جو آزمائش سے ناراض ہوتا ہے اسے اللہ کی ناراضگی کا سامنا ہوتا ہے۔

دوسری حدیث میں مومن اور منافق کا فرق واضح کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:

**مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الزَّرْعِ لاَ تَزَالُ الرِّيْحُ تُمَيِّلُهُ وَ لاَ يَزَالُ الْمُوْمِنُ يُصِيْبُهُ الْبَلاءُ، وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ شَجَرَةِ الْأَرْزَةِ لاَ تَهْتَزُّ حَتَّى تُسْتَحْصَدَ.** (مشکوة المصابیح: کتاب الجنائز: باب عيادة المريض)

مومن کی مثال کھیت کے اس پودے جیسی ہے جسے ہوائیں مسلسل اِدھر اُدھر جھکاتی اور ہلاتی ہیں، مومن پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ حالات اور آزمائشیں رہتی ہیں، منافق کی مثال صنوبر کے اس درخت جیسی ہے جو آندھیوں میں بھی نہیں ہلتا، جب وقت آتا ہے یکا یک جڑ سے اکھڑ جاتا ہے اور اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا گیا:

**إِنَّ الْعَبْدَ إِذَاسَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللَّهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهِ اِبْتَلاهُ اللَّهُ فِيْ جَسَدِهِ اَوْ فِيْ مَالِهِ اَوْ فِيْ وَلَدِهِ، ثُمَّ صَبَّرَهُ عَلَى ذَالِكَ، يُبَلِّغُهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهُ مِنَ اللَّهِ.** (ایضاً)

کسی بندے کے لئے اللہ کے دربار میں جب کوئی خاص مقام مقدر ہوتا ہے، اور وہ اپنے عمل کے ذریعہ اس مقام تک نہیں پہونچ پاتا، تو اللہ تعالیٰ اسے جسمانی یا مالی یا اولاد کے حوالے سے کسی آزمائش میں مبتلا فرماتا ہے، پھر اس آزمائش پر اسے صبر کی توفیق عطا کرتا ہے، چنانچہ اس طرح اسے اس مقام پر پہونچاتا ہے جو من جانب اللہ اس کے لئے مقدر ہوتا ہے۔

اس طرح یہ ذہن نشین کرایا جارہا ہے کہ آزمائش اللہ کا قانون ہے، اور اس کے ذریعہ

جہاں استقامت اور سچائی کی پرکھ ہوتی ہے، درجات ومراتب بھی بلند ہوتے ہیں، اجروثواب کا خزانہ بھی عطا ہوتا ہے، اللہ کی رضا اور قرب کی دولت بھی حاصل ہوتی ہے، اور بالآخر کامیابی اور غلبہ بھی عطا ہوتا ہے۔

لہذا امت کے سامنے موجودہ حالات امت کے لئے گھبراہٹ اور مایوسی پیدا کرنے والے نہیں ہونے چاہئیں، یہ اللہ کے قانون ابتلاء کے تحت آنے والا طوفان ہے جس کا مقابلہ استقامت اور پامردی سے کرنا چاہئے، اسلام کی تاریخ میں بار بار ایسے مرحلے آتے رہے ہیں اور امت حالات کے گرداب سے باہر نکلتی رہی ہے ۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں

اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

دوسری طرف یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ مشکل حالات اور مصائب کی صورت حال بسا اوقات انسان کی اپنی بداعمالیوں کا خمیازہ اور وبال ہوتی ہے، قرآن نے اس کو یوں بیان فرمایا ہے:

**وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ.** (الشوری: ۳۰)

تمہیں جو کوئی مصیبت پہونچتی ہے، وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کئے ہوئے کاموں کی وجہ سے پہونچتی ہے۔

مزید فرمایا گیا:

**وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ.** (النساء: ۷۹)

تمہیں جو کوئی برائی پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے سبب سے ہوتی ہے۔

سورۃ الروم میں وارد ہوا ہے:

**ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي**

الـنَّـاسِ لِيُـذِيْـقَهُـم بَـعْـضَ الَّـذِىْ عَـمِـلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ.

(الروم: ٤١)

لوگوں کے برے کرتوتوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا تا کہ اللہ انہیں ان کے کچھ اعمال بد کا مزہ چکھائے، شاید وہ باز آجائیں۔

ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانکنا ہوگا اور یہ سمجھنا ہوگا کہ موجودہ حالات ہماری اپنی بدعملیوں، بدکرداریوں اور بے راہ رویوں کے نتائج اور خمیازے ہیں، یہ فتنے ہیں جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے اندھے بہرے فتنے قرار دیا ہے، جن کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے پیش گوئی فرمائی:

میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ فتنے تمہارے گھروں میں بارش کے قطروں کی مانند ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح: کتاب الفتن)

حدیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ ایک دور ایسا آئے گا کہ دنیا کی تمام قومیں تم پر ایسے ہی ٹوٹ پڑیں گی جیسے بھوکے کھانے کی پلیٹوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں، تمہاری تعداد زیادہ ہوگی مگر تم سیلاب کے جھاگ کی طرح بے اثر ہوگے، تم پر وہن (دنیا کی محبت اور موت کا خوف) غالب آجائے گا۔ (مشکوۃ المصابیح: کتاب الرقاق: باب تغیر الناس)

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ان فتنوں میں مبتلا ہونے کی اصل وجہ ایمان راسخ اور عمل صالح سے محرومی، راہ راست سے گمراہی اور انحراف، کتاب وسنت سے دوری اور اسوۂ رسول کی پیروی نہ کرنا ہے، ہمارے پاس قول تو ہے مگر عمل نہیں، دعوائے ایمان ہے پر یقین کی دولت نہیں، بیجا آرزوؤں نے ہم کو تباہ کر ڈالا ہے، اخلاص سے ہم تہی دست ہیں، ہم کو اپنے اسلاف سے ذرا بھی نسبت نہیں رہی، اقبال نے بجا کہا ہے ؎

خودکشی شیوہ تمہارا وہ غیور و خوددار
تم اخوت سے گریزاں وہ اخوت پہ نثار

تم ہو گفتار سراپا وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو وہ گلستاں بکنار

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں

موجودہ حالات میں امت کو جن روگوں نے اس درجہ تباہی تک پہونچایا ہے ان میں مادیت پرستی سب سے نمایاں روگ ہے، اور حدیث کی صراحت کے مطابق مادیت پرستی انسان کو ہلاکت میں مبتلا کردیتی ہے، ارشاد نبوی ہے:

**لَاالْفَقْرَ أَخْشَیٰ عَلَیْکُمْ وَلٰکِنْ أَخْشَیٰ اَنْ تُبْسَطَ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا کَمَا بُسِطَتْ عَلَی مَنْ قَبْلَکُمْ فَتَنَافَسُوْهَا کَمَا تَنَافَسُوْهَا فَتُهْلِکَکُمْ کَمَا اَهْلَکَتْهُمْ.** (بخاری: الرقاق: باب ما یحذر من زهرة الدنیا)

مجھے تمہارے اوپر فقر وافلاس کا خدشہ نہیں ہے، بلکہ خدشہ یہ ہے کہ دنیا کی دولت ورونق پچھلی امتوں کی طرح تمہیں اپنا اسیر بنالے گی، تم اس کی دوڑ اور ہوڑ میں لگ جاؤ گے، بالآخر پچھلی امتوں کی طرح یہی چیز تمہیں ہلاک کرڈالے گی۔

اس کے علاوہ آخرت فراموشی، غفلت، مفاد پرستی، بے کاری، بے حیائی، اسرافِ بے جا اور فضولیات میں اشتغال جیسے بہت سے امراض ہیں جو امت کی زبوں حالی اور ذلت و ادبار کا بنیادی سبب ہیں۔

حالات کی تبدیلی ہماری اپنی اصلاح پر موقوف ہے، اللہ کی سنت بھی یہی ہے کہ جب تک کوئی قوم اپنے کردار میں مثبت وصالح تبدیلی نہیں لاتی، اللہ اس کے حالات نہیں بدلتا، ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنْفُسِهِمْ. (الرعد:۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف نہیں بدل لیتی۔

## ہمارا اصل ایجنڈا اور کرنے کا کام

اس وقت ہمیں سب سے زیادہ فکر کے ساتھ اس پر توجہ رکھنی ہے کہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارا ایجنڈا کیا ہونا چاہیئے، اب ہمارے کرنے کے کام کیا ہیں؟ وہ کیا تدبیریں ہوسکتی ہیں جن سے ہم حالات کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور ناسازگار صورت حال کو اپنے حق میں سازگار بنا سکتے ہیں۔

قرآن مجید، حدیث نبوی، سیرت نبویہ اور اسوۂ صحابہ کے مجموعے سے اس سلسلہ میں جو رہنمائی ہمیں ملتی ہے اس کے بنیادی خطوط کچھ یوں ہیں۔

## (۱) وحدت

مسلمانوں میں باہمی وحدت اور اجتماعیت کا قیام ان کے جملہ مسائل کا بنیادی حل ہے، اور قرآن وسنت کی رو سے ان کے مذہبی اور شرعی فرائض میں سے بھی ہے، ہر دور میں اسلام مخالفین نے مسلمانوں کو کمزور اور مغلوب کرنے کے لئے پوری قوت واولیت کے ساتھ یہ تدبیر اختیار کی کہ مسلمانوں میں ذات، برادری، رنگ ونسب، مسلک ومشرب، فکر ورائے، قوم و وطن کے مختلف ناموں پر باہمی آویزش پیدا کی جائے، باہمی اختلافات کو ہوا دی جائے، نفرتوں کی خلیجیں بہت وسیع کردی جائیں، دور نبوی میں پیغمبر اسلام علیہ السلام کے فیض سے اور اللہ کے فضل سے مسلمانوں کے مختلف طبقات میں اور بطور خاص مدینہ کے دونوں قبائل (اوس وخزرج) میں جو وحدتِ تمام پیدا ہوئی اور قرآنی صراحت کے مطابق:

وَاذْكُرُواْ نِعْمَةَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً وَكُنتُمْ عَلَىَ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا.(آل عمران:۱۰۳)

اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڈھے کے کنارے پر تھے، اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔

اور یہ بھی فرمایا گیا:

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الأَرْضِ جَمِيعاً مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَـكِنَّ اللّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ.(الانفال:۶۳)

اللہ نے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت پیدا کردی، اگر تم زمین بھر کی ساری دولت بھی خرچ کر لیتے تو ان کے دلوں میں یہ الفت پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا، وہ یقیناً اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ہے۔

دشمنان اسلام نے مختلف حیلوں اور تدبیروں سے بار بار یہ وحدت پارہ پارہ کرنی چاہی، خاندانی تعصب کی نفسیات بیدار کر کے انہیں لڑانے کی بار بار کوششیں ہوئیں، اسی طرح مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار کے درمیان مؤاخات اسلامی کے مبارک رشتے کے طفیل جو مقدس، اٹوٹ اور بے مثال محبت کا ربط استوار ہوا تھا اسے بار بار توڑنے اور کمزور کرنے کی سازش کی گئیں، اور بطور خاص غزوہ مریسیع کے موقع پر اس نوعیت کا عجیب واقعہ پیش آیا۔

بنوالمصطلق عرب کا ایک قبیلہ تھا جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی تھی کہ وہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر جمع کر رہا ہے، آپ ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ خود وہاں تشریف لے گئے، ان سے جنگ ہوئی اور آخر کار ان لوگوں نے شکست کھائی اور بعد میں مسلمان بھی ہوئے، جنگ کے بعد چند دن آپ ﷺ نے وہیں ایک چشمے کے قریب پڑاؤ ڈالے رکھا جس کا نام مریسیع تھا، اسی قیام کے دوران ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان پانی ہی کے کسی معاملے پر جھگڑا ہو گیا، جھگڑے میں نوبت ہاتھا پائی کی آگئی اور ہوتے ہوتے مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا اور انصاری نے انصار کو، یہاں تک کہ اندیشہ ہو گیا کہ کہیں مہاجرین اور انصار کے درمیان لڑائی نہ چھڑ جائے، حضور اقدس ﷺ کو علم ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ مہاجر اور انصار کے نام پر لڑائی کرنا وہ جاہلانہ عصبیت ہے جس سے اسلام نے نجات دی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ عصبیت کے بدبودار نعرے ہیں جو مسلمانوں کو چھوڑنے ہوں گے، ہاں مظلوم جو کوئی بھی ہو، اس کی مدد کرنی چاہئے اور ظالم جو کوئی ہو اسے ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے، آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جھگڑا فرو ہو گیا، اور جن حضرات میں ہاتھا پائی ہوئی تھی ان کے درمیان معافی تلافی ہو گئی۔ (آسان ترجمہ قرآن: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم: ۱۰۹۳)

اس طرح دشمنوں کی سازشیں ہر مرحلہ پر ناکام ہوتی گئیں۔

موجودہ حالات میں پوری دنیا کی امت مسلمہ عجیب دوراہے پر کھڑی ہے، ملت کے ہر فرد کو سمجھنا ہوگا کہ یہ وقت ہر اختلاف کو بالائے طاق رکھ کر ملت کے اجتماعی مفاد کے لئے کام کرنے کا ہے، باہمی مسلکی وفکری اختلافات صرف درسگاہوں تک محدود رکھنے کا ہے، مسجدوں، اجتماعات اور عملی میدانوں میں اتحاد اور اجتماعیت کا بھرپور مظاہرہ کرنے کا ہے، ذاتی مفادات پر اجتماعی وملی مفادات کو ترجیح دینے کا ہے اور ایثار وقربانی کے نمونے پیش کرنے کا ہے۔

ہماری وحدت ہماری شناخت بھی ہے اور امتیاز بھی، مشکل حالات میں قرآن وسنت کی طرف سے ہمیں ملا ہوا نسخۂ کیمیا بھی ہے اور ہمارے لئے سب سے اولین توجہ کا طالب ایجنڈا بھی۔

## (۲) دعوت دین

دعوت دین خیر امت ہونے کے ناطے امت مسلمہ کا بنیادی فرض بھی ہے اور نمایاں شناخت بھی ہے، ہندوستان میں موجودہ صورت حال کے مقابلہ کے لئے بطور خاص امت میں دعوتی کردار اور داعیانہ اسپرٹ کی بیداری اشد ضروری ہے، فرض دعوت کی انجام دہی سے غفلت امت کے لئے تاریخ کے مختلف مرحلوں میں اور عالم کے مختلف خطوں میں زوال اور کمزوری کا باعث ثابت ہوئی ہے، ہندوستان کے موجودہ خطرناک حالات اور ان کی پشت پر کارفرما عوامل کا اگر دیانت دارانہ تجزیہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ برادران وطن کے درمیان پیغام حق پہونچانے اور سچائی کی امانت ان تک منتقل کرنے میں ایک مدت سے ہماری مجرمانہ کوتاہی ایک اہم سبب ہے۔

قرآن مجید نے امت مسلمہ کو ایک نسخۂ کیمیا عطا فرمایا ہے، اس نسخے کے چار بنیادی عناصر ہیں:

(۱) دعوت دین

(۲) عمل صالح

(۳) اپنی فرماں برداری کا مخلصانہ اظہار

(۴) برائی کا بدلہ بھلائی سے، ظلم کا بدلہ احسان سے اور بداخلاقی کا بدلہ خوش اخلاقی سے دینا۔

پھر اس نسخے کی افادیت وتاثیر کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اس نسخے پر عمل انسان

کے سخت دشمن کو بھی مخلص دوست بنا دیتا ہے، اس کی برکت سے نفرتیں محبتوں میں تبدیل ہوجاتی ہیں اور ناسازگار ماحول سازگار ہوجاتا ہے، اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اس نسخے پر عمل سب کے بس کا روگ نہیں ہے، بلکہ یہ انہیں کا کام ہے جو ثابت قدم، مستقل مزاج اور بلند ہمت ہوں۔

پھر یہ بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ برائی کا بدلہ برائی سے اور ظلم کا جواب احسان سے دینے کے مبارک عمل میں شیطانی وساوس اور خیالات رکاوٹ بنتے ہیں، ایسی صورت میں اللہ سے پناہ مانگنی ضروری ہے، اس کے بغیر ایسے وساوس کا دفعیہ نہیں ہوسکتا، چنانچہ ارشاد ہے:

**وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، وَلَا تَسْتَوِیْ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِیْ بَيْنَکَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ، وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيْمٍ، وَإِمَّا يَنزَغَنَّکَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ** .(حم السجدة:۳۳-۳۶)

اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے، اور نیک عمل کرے، اور یہ کہے کہ میں فرماں برداروں میں شامل ہوں، اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، تم بدی کا دفاع ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو، نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی، وہ دیکھتے ہی دیکھتے ایسا ہوجائے گا جیسے وہ تمہارا جگری دوست ہو، اور یہ بات صرف انہیں کو عطا ہوتی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں، اور یہ بات اسی کو عطا ہوتی ہے جو بڑے نصیبے والا ہو، اور اگر تمہیں شیطان کی طرف سے کبھی کوئی کچوکا لگے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔

دنیا کے مختلف خطوں میں اسلام کے غلبے کی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ غلبۂ اسلام کی اس مہم کو اکثر دعوت دین اور اخلاق عالیہ کی طاقت سے کامیابی میسر آئی۔

یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ امت مسلمہ کی ذمہ داری صرف قولی دعوت تک محدود نہیں ہے، بلکہ شریعت کا مطالبہ اور اسوۂ نبوی یہ ہے کہ مؤمن کا کردار بھی داعیانہ ہونا ضروری ہے، تعلیمات اسلامی کی روشنی میں معاملات، معاشرت اور اخلاق کو ایمانی قالب میں ڈھال لیا جائے تو یقینی طور پر اس کی خوشبو دور دور تک جائے گی اور اس کا اجالا ہر طرف پھیلے گا، پھر نہ جانے کتنے دل منور ہوں گے اور نہ جانے کتنی روحیں معطر ہوں گی، بقول شاعر ؎

تقریر سے ممکن ہے نہ تحریر سے ممکن
وہ کام جو انسان کا کردار کرے ہے

ایک بہت بنیادی چیز ہندوستان میں بطور خاص ملک کے اکثریتی طبقہ (برادران وطن) سے مذاکرات اور گفتگو کا دائرہ بڑھانا ہے، یہ عمل مغالطوں کے ازالے لئے بھی، تفہیم شریعت کے لئے بھی اور دعوت دین کے مبارک مشن کے لئے بھی اکسیر کا مقام رکھتا ہے۔

ایک دردمند صاحب قلم نے خوب لکھا ہے:

> ہم بحیثیت ملت اس ملک کی اکثریت سے کمیونکیشن کی ضرورت کو سمجھیں اور اس کی صلاحیت پیدا کریں، ہمیں ان کے ذہن کو بھی سمجھنا ہے اور اپنا ذہن ان کو سمجھانا ہے، یہ کام ہر سطح پر ہونا ہے، ہمارے قائدین کو صحت منداور با مقصد مذاکرات کا سلسلہ شروع کرنا ہے اور آگے بھی بڑھانا ہے۔
>
> ہمارے نوجوانوں کو سوشل میڈیا پر صحت مند مباحث کا آغاز کرنا ہے اور ان میں شریک ہونا ہے، یہ سارا کام غیر جذباتی طریقہ سے، معقولیت اور معروضیت کے ساتھ مخاطب کے ذہن ونفسیات کو سمجھ کر سلیقہ کے ساتھ انجام دینا ہے۔

اس ملک کی اکثریت سے کمیونکیشن میں ایک بڑا مسئلہ وہ کیفیت ہے جسے ذہنی بُعد Attitude Polarisation کہا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دو گروہ، متضاد خیالات میں شدت کے اعتبار سے اس کیفیت پر پہنچ جاتے ہیں کہ ہر ایک ہر واقعہ کو اپنی سوچ کے اعتبار سے معنی پہنانا (Theorise کرنا) شروع کرتا ہے، ٹھوس شواہد کی بھی اپنے اپنے نقطۂ نظر سے تاویل کی جانے لگتی ہے، دونوں گروہوں کے درمیان بامعنی مکالمہ ڈائیلاگ ناممکن ہونے لگتا ہے، ہر موقف (سائڈ) کی انتہا پسندی دوسری سائڈ کی انتہا پسندی کو تقویت دیتی ہے، اس جھگڑے میں بسا اوقات سچائی یکسر غائب ہو جاتی ہے اور کسی کو نظر نہیں آتی، دہشت گردی اور اس جیسے کئی حساس مسائل میں اس وقت یہی کیفیت محسوس ہوتی ہے، نہ مسلمانوں کا موقف یہاں کی اکثریت کو سمجھ میں آتا ہے اور نہ اکثریت کا موقف ہم سمجھ پاتے ہیں، اسی صورت حال کے نتیجہ میں ہمارے اکثر اہل فکر مسائل کو ''ہمارے مسائل'' اور ''ان کے مسائل'' میں تقسیم کر کے دیکھنے کے عادی رہے ہیں۔

اس صورت حال کا بدلنا اب بہت ضروری ہے، اسلام کے بنیادی اصولوں سے ہماری وابستگی بیشک اٹل رہے گی، لیکن سیاسی وسماجی مسائل میں جن کا تعلق اسلام کے بنیادی اصولوں سے نہیں ہے، ہمیں ڈائیلاگ کی فضا بنانی چاہیئے، اپنا موقف سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیئے اور یہاں کی غیر مسلم اکثریت کے موقف کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اس کمیونکیشن کا ایک اہم ہدف دعوت ہونا چاہیئے جو ہمارا بنیادی فریضہ، اس امت کا اصل مشن اور مقصد وجود ہے۔ اس کام کی اہمیت اب

پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے، نئے حالات کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے تنبیہ( وارننگ ) ہے کہ اگر امت اپنے اس بنیادی فریضہ کی ادائیگی کے لئے آگے نہیں بڑھے گی تو اسے حاصل مواقع چھن سکتے ہیں۔ کاش کہ اس وارننگ کو ہم سمجھیں، دعوت کے اس بنیادی فریضہ کی طرف توجہ بڑھ رہی ہے لیکن ہمارا جذباتی مزاج یہاں بھی ہم سے طرح طرح کی غلطیاں سرزد کرارہا ہے، دعوت نہ بحث میں جیتنے کا نام ہے اور نہ اپنی قومی برتری کے اظہار کا، دعوت دل سوزی کے ساتھ بندوں کو خدا سے ملانے کا نام ہے، داعیانہ دل سوزی اگر امت کے اندر پیدا ہوجائے تو ہمارے بہت سے مسائل اور یہاں کی اکثریت کے ساتھ ہمارے بہت سے تنازعات خود بخود حل ہوجائیں گے۔( ماہنامہ زندگی نو اگست ۲۰۱۴ء ، ۱۲۸-۱۳۰، مضمون: سید سعادت اللہ حسینی صاحب )

ہندوستان کے موجودہ حالات میں ہمارے لئے بطور خاص دعوت دین کا مبارک عمل بہت طاقتور ہتھیار ہے، برداران وطن کی بہت بڑی تعداد معاندین کے منظّم انداز میں پھیلائے گئے پروپیگنڈوں کی وجہ سے مغالطوں کی شکار ہے،مسلمانوں سے ان کی نفرت کی پشت پر دوہی عوامل کارفرما ہیں:

ایک تو منفی پروپیگنڈہ مہم: جس کا واحد حل مخلصانہ اور مسلسل دعوتی جدوجہد ہے۔

دوسرا عامل ہمارے معاملات واخلاق کا بگاڑ ہے جو ان کی نگاہوں میں اسلام کی غلط شبیہ پیش کرتا ہے، اس کا واحد حل اپنے معاملات واخلاق کی اصلاح اور صدفی صد اسوۂ نبوی کے رنگ میں اپنے کردار کو رنگنا ہے۔

## (۳) خدمت خلق

مذہب ومسلک سے بالاتر ہوکر محض انسانی بنیادوں پر خلق خدا کی خدمت اور نفع رسانی

انتہائی اعلیٰ عمل خیر بھی ہے اور بندے کو اللہ سے قریب کرنے کا باعث بھی ہے، بلکہ قول عارف رومی ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

یعنی طریقت اور تصوف کا تعلق تسبیح و جانماز اور گدڑی سے نہیں، خدمت خلق سے ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے قبل از نبوت چالیس سالہ کردار کی جو عکاسی سیرت میں ملتی ہے، اس کا اصل جوہر بلکہ قبل از نبوت زندگی کا اصل تعارف وامتیاز ہی خدمت خلق ہے۔

پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ ﷺ حیران و پریشان واپس آ رہے ہیں، اور اپنے گھر والوں سے فرما رہے ہیں کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ، چنانچہ آپ ﷺ کو کمبل اوڑھایا گیا، کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ کو قرار آیا اور آپ ﷺ نے پوری داستان حضرت خدیجہ کو سنائی، اس کے جواب میں حضرت خدیجہ نے آپ ﷺ کے حسن کردار کی پاکیزہ تصویر کشی کرتے ہوئے آپ ﷺ کو تسلی دی اور کہا:

**كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ أَبَدًا، اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتُكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَ تَحْمِلُ الْكَلَّ، وَ تَقْرِی الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ.** (بخاری: الوحی)

ہرگز آپ کو اللہ رسوا، بے یار و مددگار اور غمزدہ نہیں کرے گا، آپ تو رشتوں کو جوڑتے ہیں، نادار کو کمائی سے لگاتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہ حق کی مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

نبی ﷺ کے کردار کی اس سے پاکیزہ کیا تصویر ہو سکتی ہے، یہ قبل از نبوت زندگی کے

کردار کی تصویر ہے۔

**تَصِلُ الرَّحِمَ:** صلہ رحمی، آپ ﷺ ان کو بھی جوڑتے تھے جو آپ ﷺ سے جڑتے تھے اور ان کو بھی جوڑتے تھے جو آپ ﷺ سے کٹتے تھے، تمام اخلاقی معلموں میں آپ ﷺ کا یہ امتیاز تسلیم شدہ ہے۔

**تُکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ:** معاشی اعتبار سے مفلس لوگوں کو سہارا دے دینا، غربت کا استحصال کرنے کے بجائے، سود کے نام پر غریبوں کا خون چوسنے کے بجائے قوم کے بے سہاروں کو معاشی سہارا دینا، یہ پیغمبر ﷺ کے کردار کا نمایاں پہلو ہے، یہ ایک قومی نہیں؛ بلکہ انسانی مسئلہ ہے۔

**تَحْمِلُ الْکَلَّ:** دوسروں کا بوجھ اٹھانا، سماج میں جو بوجھ اٹھانے کے لائق نہیں، اس کا بوجھ اٹھانا، جو اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرسکتا، اس کی مدد کردینا، مسلک و مذہب کے امتیاز کے بغیر دوسرے کی مدد کردینا، یہ پیغمبر علیہ السلام کے کردار کی روشن تصویر ہے۔

**تَقْرِیْ الضَّیْفَ:** خوش دلی کے ساتھ، مہمانوں کو رحمت سمجھتے ہوئے انکی ضیافت، ان کا اکرام، ان کے لئے دیدہ ودل فرش راہ کردینا پیغمبر ﷺ کے کردار کا نمایاں حصہ ہے۔

**تُعِیْنُ عَلَی نَوَائِبِ الْحَقِّ:** قدرتی آفات ومصاب میں دوسرے کا سہارا بن جانا، بے گھر کو گھر دے دینا، بے لباس کو لباس دینا، بھوکے کو کھلا دینا، آپ ﷺ کے کردار کی واضح تصویر ہے۔

حضرت خدیجہؓ کے یہ تسلی آمیز جملے کردار نبوی کی انتہائی حسین اور موثر منظر کشی کرتے ہیں، غور فرمایئے: پیغمبر علیہ السلام کے اس کردار کا خلاصہ خدمت خلق ہے، اللہ نے دعوت دین کے مرحلے میں آپ ﷺ کو لگانے سے پہلے خدمت خلق کی راہ پر لگایا، اس طرح یہ ترتیب طے کردی کہ دعوتِ حق کی منزل خدمت خلق کے راستے سے ہموار ہوتی ہے، آج دعوتی میدانوں میں کام کرنے والوں کے لئے یہ ایک سبق ہے، یہ ترتیب بدلے گی تو ہدف نہیں مل سکتا، غیروں نے افسوس خدمت خلق کا میدان ہتھیا لیا، اور ہم اس سے غافل ہو گئے۔

یہ پیغمبر علیہ السلام کے اخلاق وکردار کا واضح نقشہ تھا، گویا یہ ایک پیغام تھا جو آئندہ اس دین کی حامل امت کو دیا جا رہا تھا، اور ساتھ یہ ضمانت بھی دی جا رہی تھی کہ جو قوم، جو افراد، جو معاشرے اس کردار کے سانچے میں ڈھل جائیں گے، کبھی بے عزت، رسوا اور بے یار ومددگار نہیں ہوں گے؛ بلکہ کامیابی قدم چومے گی اور اللہ کی مدد شامل حال رہے گی۔

احادیث مبارکہ میں مؤمن ومسلم کا تعارف جن الفاظ سے آیا ہے، ان میں بطور خاص یہ پہلو واضح کیا گیا ہے کہ مسلمان اپنے وجود سے اور اپنی کسی ادا سے دوسروں کو تکلیف و نقصان نہ پہونچائے:

**اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَ يَدِهِ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَاءِ هِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ.** (مشكوة: الايمان)

مسلمان وہی ہے جس کی زبان درازی اور دست درازی سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور مؤمن وہی ہے جس سے تمام انسان اپنی جانوں اور مالوں کے سلسلہ میں مامون اور بے خوف رہیں۔

اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ ایمان کی اعلیٰ اور نمایاں خصلتوں میں سلام کو رواج دینا اور دوسروں کو کھانا کھلانا ہے۔

**قِيْلَ: أَيُّ الإِسْلَامِ خَيْرٌ، قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَمْ تَعْرِفْ.** (بخاری: الإيمان)

عرض کیا گیا: اسلام کی کون سی خصلت سب سے بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کھانا کھلاؤ، اور جسے پہچانتے ہو اسے بھی، اور جسے نہیں پہچانتے ہو اسے بھی سلام کرو۔

اورسب سے بہتر انسان اسے بتایا گیا ہے جو دوسروں کے کام آئے اور دوسروں کو نفع پہونچائے:

**خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ.** (شعب الایمان: بیھقی،۷۶۵۸)

سب سے بہتر انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔

روایات میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ایک قافلے کے ساتھ سفر میں تھے، قافلہ کے بیشتر افراد روزے سے تھے، بعض افراد نے سفر کی سہولت کا فائدہ اٹھایا اور روزہ نہیں رکھا، منزل پر پہونچے تو روزہ دار بالکل تھک کر چور ہو چکے تھے، وہ آرام کرنے لگے، اب جو افراد روزے سے نہیں تھے انہوں نے فوراً خیمے لگانے اور انتظامات کرنے شروع کر دیئے اور سارا کام سنبھال لیا، اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

**ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالاَجْرِ.** (بخاری: کتاب الجهاد: باب فضل الخدمة فی السفر)

آج افطار کرنے والے روزہ رکھنے والوں سے زیادہ اجر لے گئے۔

ظاہر ہے کہ اس کی وجہ صرف خدمت خلق کا عمل تھا، قرآن میں یہ اصول ذکر ہوا ہے:

**فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ.** (الرعد:۱۷)

جو جھاگ ہے وہ بے کار ہو چلا جاتا ہے، اور جو انسانوں کے لئے نفع بخش چیز ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے۔

اس آیت نے واضح طور پر بتادیا کہ اس کائنات میں اللہ کا قانون ''بقائے انفع'' (جو دوسرے کے لئے نافع ہو، وہی بقا پائے گا) کا قانون ہے، امت مسلمہ کے تحفظ و بقا کے لئے بنیادی تدبیر یہ ہے کہ امت کے افراد انسانیت کی خدمت کریں، انسانیت کو نفع پہونچانے کے مشن میں لگ جائیں۔

ایک صاحب قلم نے بالکل درست لکھا ہے:

دوسروں کے درمیان جگہ حاصل کرنے کا راز صرف ایک ہے، آپ دوسروں کی ضرورت بن جائیں، اگر آپ دوسروں کو یقین دلا دیں کہ آپ ان کی ضرورت ہیں تو دوسروں کے لئے ناممکن ہو جائے کہ وہ آپ کو نظر انداز کر دیں، گھر کا معاملہ ہو یا بستی کا معاملہ یا پورے ملک کا معاملہ، ہر جگہ عزت کا مقام حاصل کرنے کا واحد بے خطا راز یہ ہے کہ آپ یہ ثابت کر دیں کہ آپ لوگوں کی ضروت ہیں۔ (راز حیات: ۱۰۶، مولانا وحیدالدین خاں)

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مسلمان - افراد اور تنظیمیں - ایک خول اور دائرے میں محصور ہیں، اور ان کی پہچان اپنی ذات اور قوم تک محدود گروہ کی بن گئی ہے، ہمارے مخالفین نے ہماری یہ شبیہ نمایاں کی ہے کہ ہم صرف اپنے ہم مذہبوں کے لئے کام کرنے والی جماعت ہیں، باقی افراد سے ہم صرف اپنا حق مانگتے اور احتجاج کرتے ہیں، ان کے کام نہیں آتے، ظاہر ہے کہ یہ پروپیگنڈہ ہے، جس کو ہم میں سے بہتوں کے کردار سے تقویت مل جاتی ہے۔

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ دین اسلام پوری انسانیت کی فلاح کے لئے ہے، اور امت مسلمہ پوری کائنات کے لئے رحمت وامن کا پیغام رکھنے والی امت ہے، ان حالات میں ہم کو اپنی نافعیت ثابت کرنی ہوگی، انسانی بنیادوں پر مسلک و مذہب سے بالاتر ہو کر خدمت خلق اور رفاہ عام کے کاموں کے ذریعہ لوگوں کے دلوں اور دماغوں کو فتح کرنا ہوگا۔

امت مسلمہ کے لئے موجودہ حالات میں خدمت خلق کی یہ تدبیر بہت کارگر ثابت ہوسکتی ہے، اور اس کی مدد سے ناموافق حالات موافق بنائے جاسکتے ہیں، اپنے تحفظ، بقاء اور اپنی عظمت کی بازیابی کے ساتھ ہی دوسروں کے دلوں میں سچائی کا پیغام منتقل کرنے کا مبارک کام اس تدبیر سے خوب خوب لیا جاسکتا ہے اور اس کے ذریعہ مخالفانہ پروپیگنڈوں کا زہر بھی ختم کیا جاسکتا ہے۔

# (۴) صبر واستقامت

مشکلات اور آزمائشوں کے ہر دور میں اللہ کی طرف سے اہل ایمان کے صبر وثبات کا امتحان ہوتا ہے، اور اللہ کی نگاہ میں اس کے وہی بندے محبوب ہوتے ہیں جو حالات کے مقابلے کے لئے مردانہ وار آگے آئیں، اپنے موقف پر ثابت قدم رہیں، صبر وضبط کا دامن کسی طور پر نہ چھوڑیں، جوش پر ہوش کو اور جذباتیت پر سنجیدگی کو غالب رکھیں، حسن تدبیر اور اعلیٰ حکمت سے کام لیں، پوری تربیت و تنظیم کے ساتھ منصوبہ بند اقدامات کریں، بزدلی اور پست ہمتی کو پاس نہ آنے دیں۔

موجودہ حالات میں امت کے لئے میدان عمل میں کامیابی اور دشمنوں کو ناکام بنانے کا یہی بنیادی نسخہ ہے، جس کی تلقین سے کتاب وسنت کی تعلیمات لبریز ہیں اور جن کے انتہائی روشن اور نمایاں نمونے قرآن مجید، سیرت نبوی اور اسوۂ صحابہ میں جابجا موجود ہیں۔

## اصحاب الاخدود کا واقعہ

قرآن مجید میں سورۃ البروج میں ولادت نبوی سے ستر سال قبل یمن میں پیش آنے والے واقعے کا ذکر کر کے تمام اہل ایمان کو صبر واستقامت کا بہت تابناک نمونہ دکھایا گیا ہے، صحیح مسلم کی روایت کے مطابق یمن کے بادشاہ ''یوسف ذونواس'' کے دور میں ایک کاہن (غیب دانی کا دعوی کرنے اور ڈھونگ رچانے والا) یا ساحر (جادوگر) تھا، اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھ کو ایک ہوشیار لڑکا دیا جائے تو اس کو اپنا علم سکھادوں، چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا، اس کے راستے میں ایک راہب یعنی عیسائی پادری رہتا تھا، اور اس زمانے میں دین عیسیٰ علیہ السلام ہی دین حق تھا، اور یہ راہب اسی پر قائم عبادت گزار تھا، وہ لڑکا اس کے پاس جانے لگا، اور خفیہ مسلمان ہوگیا، ایک بار اس لڑکے نے دیکھا کہ کسی شیر نے راستہ روک رکھا ہے، اور خلق خدا پریشان ہے، تو اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لیکر دعا کی: کہ اے اللہ اگر راہب کا دین

سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے، اور اگر کاہن سچا ہے تو نہ مارا جائے، یہ کہہ کر وہ پتھر مارا تو شیر کو لگا اور وہ ہلاک ہو گیا، لوگوں میں شور ہو گیا کہ اس لڑکے کو کوئی عجیب علم آتا ہے، کسی اندھے نے سنا، آکر درخواست کی: میری آنکھیں اچھی ہو جائیں، لڑکے نے کہا: بشرطیکہ تو مسلمان ہو جائے، چنانچہ اس نے قبول کیا، لڑکے نے دعا کی اور وہ اچھا ہو گیا اور مسلمان ہو گیا، بادشاہ کو یہ خبریں پہنچیں تو اس راہب کو اور لڑکے اور اس نابینا کو گرفتار کر کے بلایا، اس نے راہب اور اعمیٰ کو تو قتل کر دیا، اور لڑکے کے لئے حکم دیا کہ پہاڑ کے اوپر لے جا کر گرادیا جائے، مگر جو لوگ اس کو لے گئے تھے وہ خود گر کر ہلاک ہو گئے، اور لڑکا صحیح سالم چلا آیا، پھر بادشاہ نے سمندر میں غرق کرنے کا حکم دیا، وہ اس سے بھی بچ گیا اور جو لوگ اس کو لے گئے تھے وہ سب ڈوب گئے، پھر خود لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ: مجھ کو بسم اللہ کہہ کر تیر مارو تو میں مر جاؤں گا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور لڑکا مر گیا، پس اس واقعہ عجیبہ کو دیکھ کر یک لخت عام لوگوں کی زبان سے نعرہ بلند ہوا کہ ہم سب اللہ پر ایمان لاتے ہیں، بادشاہ بڑا پریشان ہوا اور ارکان سلطنت کے مشورے سے بڑی بڑی خندقیں آگ سے بھروا کر اشتہار دیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھرے گا اس کو آگ میں جلا دیں گے۔

اس ظالم بادشاہ نے ایمان لانے والوں کو عذاب دینے کے لئے خندق کھدوا کر اس کو آگ کے بڑے شعلوں سے لبریز کیا پھر ایمان لانے والوں میں سے ایک ایک کو حاضر کر کے کہا کہ یا ایمان چھوڑ دو یا پھر اس خندق میں گر جانا پڑے گا، اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کو ایسی استقامت بخشی کہ ان میں سے ایک بھی ایمان چھوڑنے پر راضی نہ ہوا اور آگ میں گر جانا قبول کیا، صرف ایک عورت جس کی گود میں ایک بچہ تھا اس کو آگ میں گرنے میں ذرا جھجک ہوئی تو چھوٹا سا بچہ بولا کہ اماں جان صبر کرو کیونکہ آپ حق پر ہیں، جو لوگ اس طرح دہکتی آگ میں جلا کر اس ظالم نے قتل کئے ان کی تعداد بعض روایات میں بارہ ہزار بعض میں اس سے زیادہ منقول ہے۔ (مستفاد از: معارف القرآن: ۸/ ۷۱۰، ۷۱۳)

قرآن کی سورۃ البروج میں فرمایا گیا:

**وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ، وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ، وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ، قُتِلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ، النَّارِ ذَاتِ الْوَقُودِ، إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ، وَهُمْ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ، وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ، الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ، إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ.** (البروج:۱-۱۰)

قسم ہے برجوں والے آسمان کی، اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے، اور حاضر ہونے والے کی، اور اس کی جس کے پاس لوگ حاضر ہوں، کہ خدا کی مار ہے ان خندق کھودنے والوں پر، اس آگ والوں پر جو ایندھن سے بھری ہوئی تھی، جب وہ اس کے پاس بیٹھے تھے، اور وہ ایمان والوں کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے اس کا نظارہ کرتے جاتے تھے، اور وہ ایمان والوں کو کسی اور بات کی نہیں، صرف اس بات کی سزا دے رہے تھے، کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے تھے، جو بڑے اقتدار والا، بہت قابل تعریف ہے، جس کے قبضہ میں سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے، اور اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے، یقین رکھو کہ جن لوگوں نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کو ظلم کا نشانہ بنایا ہے، پھر توبہ نہیں کی ہے، ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے، اور ان کو آگ میں جلنے کی سزا دی جائے گی۔

اصحاب الاخدود کا یہ واقعہ ایمان وحق پر استقامت اور صبر وثبات کا انتہائی قابل فخر نمونہ ہے۔

# مکی دور کے حالات اور شعب ابی طالب کی محصوریت

حضورا کرم ﷺ کی مکی زندگی کے تیرہ سالوں میں بطور خاص بار بار ایسے حالات آئے، جو اہل ایمان کے لئے انتہائی مشکل تھے، دعوت اسلامی کے تین سال مکمل ہونے پر اللہ کے حکم سے کوہ صفا پر آپ ﷺ نے علی الاعلان پیغام حق سنایا، جس کے جواب میں سوائے مخالفت اور پروپیگنڈہ کے کوئی اور چیز سامنے نہیں آئی، مگر آپ ﷺ نے استقامت سے ان حالات کا مقابلہ کیا اور مسلسل کوششوں میں لگے رہے۔

مکی زندگی میں شعب ابی طالب کا واقعہ بطور خاص قابل توجہ ہے، حضرت عمرؓ کے قبول اسلام نے کفر و باطل کے ایوانوں میں لرزہ طاری کردیا ہے، مکہ کا مشرک ٹولہ اب اپنی برداشت کھوتا جارہا ہے۔

نبوت کا ساتواں سال ہے، طے کیا گیا کہ ''محمدؐ'' کا پورے خاندان سمیت بائیکاٹ کردیا جائے، یہ سوشل بائیکاٹ تھا، جس میں طے کرلیا گیا تھا کہ نہ ان سے قرابت رکھی جائے گی، نہ شادی بیاہ کا تعلق رہے گا، نہ لین دین ہوگا، نہ ان سے گفتگو کی جائے گی، نہ میل جول رکھا جائے گا اور نہ انہیں گلیوں بازاروں میں گھومنے دیا جائے گا، ان کے پاس باہر کے حمایتیوں کی طرف سے خوراک نہیں پہنچنے دی جائے گی اور نہ انہیں کھانے پینے کا سامان دیا جائے گا، اور یہ بائیکاٹ اس وقت تک رہے گا جب تک بنو ہاشم محمدؐ کو قتل کرنے کے لئے ہمارے سپرد نہ کردیں، یہ بائیکاٹ بنو ہاشم، بنو مطلب اور بنو عبد مناف تینوں کے ساتھ تھا، یہ دفعات لکھ کر بیت اللہ کی چھت سے لٹکادی گئی تھیں، یہ محرم ۷ نبوی کا واقعہ ہے، جناب ابوطالب تمام بنو ہاشم و بنو مطلب کے ساتھ ''شعب ابی طالب'' نامی گھاٹی میں مقیم ہوگئے، ابولہب بنو ہاشم کا فرد تھا مگر وہ مخالف کیمپ میں رہا۔

یہ سوشل بائیکاٹ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو الگ تھلگ، محدود اور کمزور کرنے کے

لئے تھا، مقصد یہ تھا کہ اس طرح پیغمبر ﷺ کا آزادانہ میل جول رک جائے گا، ان کا اثر ونفوذ سمٹ جائے گا، دوسرے مسلمانوں پر سختی اور دباؤ آسان ہوجائے گا، تحریک کے کارکن سپاہی اپنے قائد سے الگ ہوکر حوصلہ کھودیں گے، ہمت ہارجائیں گے، ممکن ہے کہ محمد ﷺ ان سختیوں سے گھبرا کر سپرڈال دیں، اور گھٹنے ٹیک دیں۔

غور فرمایئے، یہ سلسلہ ایک دو دن نہیں، مسلسل تین سال تک جاری رہا ہے، روایات میں آتا ہے کہ مسلمان بچوں کے بھوک سے رونے اور بلکنے کی آواز مکہ میں گونجا کرتی تھی، ایک ایک قطرہ دودھ اور پانی کے لئے لوگ ترس رہے تھے، مگر ان سخت دلوں کو رحم نہیں آتا تھا، تین سال تک سختی، اذیت اور پریشانی کا جو عالم گذرا ہے، اس کا تصور بھی کرلیا جائے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، سچ کہا صادق ومصدوق ﷺ نے:

**أَشَدُّ النَّاسِ بَلاءً الأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الأَمْثَلُ فَالأَمْثَلُ**. (کنزالعمال:۱۳۳/۳)

تمام لوگوں میں انبیاء کی پھر اس کے بعد درجہ بدرجہ لوگوں کی آزمائش سب سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کے سامنے ایک دن اچھا کھانا آیا، تو زاروقطار رونے لگے اور کہا کہ:

میں سات میں ساتواں تھا، ہم شعب ابی طالب میں تھے۔ "**حَتَّى تَخَرَّقَتْ أَشْدَاقُنَا**" باچھیں پھٹ گئی تھیں، ایک دن تو سوکھے چمڑے کا ٹکڑا تک کھانا پڑا تھا، درختوں کے پتے کھانے پڑتے تھے۔

معاملہ حد سے تجاوز کرگیا تو نبوت کے نویں سال کے اختتام پر ہشام بن عمرو بن حارث، زبیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری، حکیم بن حزام، زمعہ بن اسود وغیرہ کی مداخلت سے اس ظالمانہ مقاطعے کو ختم کرنے اور اس معاہدے کو پھاڑ ڈالنے کی تحریک زور پر

آئی، اُدھر آپ ﷺ نے شعب ابی طالب میں اپنے چچا کو خبر دے دی تھی کہ یہ ظالمانہ معاہدہ نامہ دیمک زدہ ہو چکا ہے، اس میں صرف اللہ کا نام باقی ہے، ابو طالب نے یہ بات مکہ کے دشمن سرداروں تک پہنچائی، اور یہ پیغام بھیجا کہ میرے بھتیجے نے خبر دی ہے کہ تمہاری ظالمانہ دستاویز ختم ہو چکی ہے، محمد ﷺ جھوٹ نہیں بولتا، تم اسی کو معیار بنالو، معاہدہ نامہ نکال کر دیکھو، اگر وہ صحیح سالم ہے تو میں محمد ﷺ کو تمہارے حوالے کر دوں گا، ورنہ یہ بائیکاٹ کالعدم ہو جائے گا، معاہدہ نامہ نکالا گیا تو اللہ کے مبارک نام کے سوا پورا معاہدہ نامہ دیمک خوردہ نکلا، اس طرح یہ مقاطعہ ختم ہوا، اور محمد ﷺ کی صداقت کا ایک اور نقش دلوں پر قائم ہو گیا۔

(دیکھئے: سیرت ابن هشام: ۱/ ۳۷٤-۳۷۷، سیرت ابن اسحاق: ۱/ ۱۵۷- ۱۵۹، زاد المعاد: ۲/ ٤٦، سیرت المصطفیٰ: کاندهلوی: ۱/ ۲۰۰)

پیغمبر علیہ السلام کی سیرت کا یہ بہت ہی کرب ناک اور روح فرسا باب ہے، غور فرمایئے کہ کیا یہ تین سالہ مظالم کا طوفان محمد ﷺ اور پیروانِ محمد ﷺ کو ان کے مشن سے ایک بالشت کے برابر بھی اور ایک لمحہ کے لئے بھی ہٹا سکا؟ کیا تحریک محمدی کے سپاہی اپنے قائد اعلیٰ سے تین سال الگ رہ کر پست حوصلہ ہوئے؟ کیا ان کے عزائم میں کمزوری آئی؟ نہیں! تاریخ بتاتی ہے کہ ہر آزمائش کے بعد ان کا ایمان اور پختہ ہوتا جا رہا تھا، ظلم و ستم کا ہر طوفان ان کے یقین کو مزید محکم کرتا جا رہا تھا، سیرتِ محمدی ﷺ کا یہ باب ہم سب کے لئے درس و پیغام ہے کہ حق کا راستہ قربانیوں کا راستہ ہوتا ہے، سچائی کا علم اٹھانے والے تنقیدوں، تبصروں، طعنوں، پھبتیوں، مظالم، مصائب اور رکاوٹوں کی زد میں رہتے ہیں، تم حق کے راستے پر چلو گے تو فقر آئے گا، ارشاد نبوی ہے:

اِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَاَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا. (ترمذی: الزهد: باب ما جاء فی فضل الفقر)

اگر تم سچے ہو تو فقر و فاقہ کی دشواریوں کے لئے تیار رہو۔

اقتصادی دشواریاں آئیں گی، غربت کی مار سہنی پڑے گی، گالیاں سننی پڑیں گی، مذاق کا نشانہ بنو گے، راہ حق کے مجاہدوں کو یہ سب جھیلنا پڑتا ہے، لیکن یہ سب حالات ان کی رفتار اور تیز کر دیتے ہیں، ان رکاوٹوں سے ان کی حرارت اور بڑھ جاتی ہے، خطرات ان کی استقامت میں اضافہ کر دیتے ہیں، گویا وہ کہتے ہیں ۔

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

یہی سبق شعب ابی طالب میں پیغمبر علیہ السلام کے اسوہ سے امت کو ملتا ہے، شعب ابی طالب کے اس مظلوم قافلے کی مظلومیت دیکھئے اور ان بدبختوں سے جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ اور اہل اسلام کو انتہا پسند اور تشدد پسند کہتے ہیں، پوچھئے کہ پوری سیرتِ محمدی تو چھوڑو، پوری مکی زندگی چھوڑو، کیا تم کو شعب ابی طالب کے یہ تین سال، ان سالوں میں بہنے والے آنسو، دلوں سے نکلنے والی آہیں اور کراہیں اور غم والم نظر نہیں آتے۔

آج حقوقِ انسانی (ہیومن رائٹس) کا بڑا چرچا ہے، کمیشن بنے ہوئے ہیں، انسانی جان و مال و آبرو کی بات کہی جاتی ہے، ضمیر کی آزادی، اظہار رائے کی آزادی، انسان کی شخصی آزادی کا شور بلند کیا جاتا ہے، ان نعرے لگانے والوں کے سامنے کیا یہ سچائی نہیں ہے کہ شعب ابی طالب میں محصور مظلوم کاروان کا قصور کیا تھا؟ ایک اللہ کی پرستاری، شر کو شر کہہ دینا، حق کی صدا لگا دینا، یہ حق کے پرستار کسی کو ستا نہیں رہے تھے، لیکن مکہ کا ظالم طبقہ ان کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، آج بھی انہیں ظالموں کے جانشین مختلف شکلوں، لبادوں اور ٹائٹلوں میں اہل حق کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر رہے ہیں، آج پھر وہی رول پلے کیا جا رہا ہے، انداز مختلف ہے، شکل جدا ہے، مگر وہی تاریخ دہرائی جا رہی ہے، سیرتِ محمدی ﷺ کا یہ باب ہم کو استقامت اور حوصلے کا پیغام دیتا ہے۔

# غزوۂ احد

مسلمانوں کے لئے موجودہ حالات میں غزوہ احد وخندق کی صورت حال بہت واضح رہنما ہوسکتی ہے، احد کا غزوہ مسلمانوں کے لئے بہت اہم آزمائش ثابت ہوا تھا، اہل مکہ نے شوال ۳ھ میں مدینہ کی سرحد پر پہونچ کر حملہ کیا تھا، ان کا لشکر ۳۰۰۰/فوجیوں پر مشتمل تھا، جن میں ۷۰۰/زرہ پوش، ۳۰۰۰/اونٹ، ۲۰۰/گھوڑے تھے، رمضان ۲ھ میں میدان بدر میں ان دشمنوں کو (جو ایک ہزار کی تعداد میں تھے) صرف ۳۱۳/کے مقابلے میں شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا تھا، اور ان کے ۷۰/افراد قتل اور ۷۰/افراد گرفتار ہوئے تھے، اب اس شرمناک شکست کا انتقام لینے کے لئے پوری تیاری سے یہ لشکر آیا تھا، دامن احد میں یہ معرکہ ہوا۔

احد کا معرکہ برپا ہے، مسلمانوں کی صفیں ایمان کی روح سے لبریز ہیں، دشمنوں کے لشکر پر مسلمان مجاہدین اس سیل رواں کی مانند ٹوٹے پڑ رہے ہیں جس کے آگے کوئی بند نہیں لگ پا رہا ہے، مشرکین کے حوصلے ٹوٹ گئے ہیں، ان کی ہمت جواب دے گئی ہے، وہ بکھرنے لگے ہیں، اب انہوں نے پسپا ہونا شروع کر دیا ہے، اور فرار کا راستہ اختیار کر رہے ہیں، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

> مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی تھی، میں نے دیکھا کہ ان کی عورتیں پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے تیزی سے بھاگ رہی ہیں، ان کے پازیب دکھائی دے رہے ہیں۔ (بخاری: المغازی: باب غزوۃ احد)

بس اسی مرحلے میں تیر انداز دستے کی طرف سے ایک ہولناک غلطی سرزد ہوئی، اور بالآخر اسی نے جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل کر دی ہے، مسلمانوں کا غلبہ دیکھ کر "جبل الرماۃ" پر تعینات تیر انداز اتر کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے، ان کے کمانڈر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے ان کو بہت روکا، مگر وہ نہ مانے، حضرت عبداللہ نے انہیں آپ ﷺ کی

ہدایت یاد دلائی، مگر وہ بولے کہ اب تو فتح ہو چکی ہے، حضرت عبداللہ کے ساتھ صرف دس افراد بچے۔

ابوسفیان کے اشارے پر خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے) نے اس صورتِ حال کا فائدہ اٹھا کر اپنے دستے کے ساتھ چکر کاٹ کر پیچھے سے زوردار حملہ کیا، انہوں نے پہاڑ پر موجود صحابہ کو شہید کر ڈالا، یہ منظر دیکھ کر بھاگتے ہوئے مشرکین بھی پلٹ آئے، اس طرح اسلامی لشکر مشرکین کے نرغے میں آ گیا، پانسہ پلٹ گیا، بہت سے مسلمان بدحواس ہو گئے۔ (دیکھئے: سیرت المصطفیٰ: ۲/۲۰۵)

اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنی جان خطرہ میں ڈال کر صحابہ کی جان بچانے کا فیصلہ کیا، اور بآواز بلند صحابہ کو پکارا، دشمنوں نے تاڑ لیا کہ آپ ﷺ کہاں ہیں؟ چناں چہ انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو ختم کرنے کا اردہ کرلیا، اور ہر طرف سے آپ ﷺ پر حملہ آور ہونے لگے، شمع رسالت کے پروانوں نے اس نازک موقع پر اپنی جاں نثاری کا فقید المثال منظر پیش کیا۔

حضرت مصعب بن عمیر آپ ﷺ کی کافی شباہت رکھتے تھے، انہیں شہید کیا گیا، کسی دشمن نے یہ افواہ پھیلا دی کہ رسول اللہ ﷺ شہید کر دئے گئے ہیں، یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور مسلمانوں پر سکتہ سا طاری ہو گیا، کچھ لوگ کہنے لگے کہ اگر محمد ﷺ شہید کر دئے گئے تو ہمیں جینے کا کیا حق ہے؟

حضرت انس بن نضر نے مسلمانوں کا یہ حال دیکھا تو فرمایا کہ اگر محمد ﷺ شہید کر دئے گئے تو کیا ہوا، محمد ﷺ کا رب تو شہید نہیں ہوا۔

مُوْتُوا عَلَى مَا مَاتَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

تم بیٹھے کیا ہو؟ جس چیز پر آقا ﷺ نے جان دی تم بھی دے دو۔

بس اس جملہ نے مجمع کا رخ موڑ دیا، پھر اسی حقیقت کو قرآن نے واضح کر دیا:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، أَفَإِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ، وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا، وَسَيَجْزِی اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ. (آل عمران/ ۱٤٤)

اور محمد ﷺ ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، بھلا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور جو شکر گزار بندے ہیں اللہ ان کو ثواب دے گا۔

حضرت انس یہ کہہ کر میدان میں گھس گئے، حضرت معاذ ملے، پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے: مجھے احد کے سامنے سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے، بالآخر شہید ہو گئے، ان کے جسم پر ۸۰؍ سے زائد زخم تھے، شناخت مشکل تھی، بہن نے انگلیوں کے پوروؤں سے پہچانا تھا۔(زاد المعاد: ۲/ ۹۳، بخاری: المغازی: باب غزوۃ احد)

بعد میں جب اس افواہ کا غلط ہونا ثابت ہوا تو مسلمانوں حوصلے بلند ہو گئے، اور انہوں نے دشمنوں کا گھیرا توڑ کر اپنے کو ان کے نرغے سے نکالنے میں کامیابی حاصل کر لی۔

دشمنوں کا انتقام پورا ہو چکا تھا، شہداء کی لاشوں کا مثلہ کر کے اپنی تسلی بھی انہوں نے کر لی تھی، مزید جنگ جاری رکھنا خود ان کے لئے نقصان رساں ہو سکتا تھا، اس لئے ''ہبل کی جے'' کا نعرہ لگاتے ہوئے اور اپنی فتح کا اعلان کرتے ہوئے ابوسفیان اپنی فوج کے ساتھ واپس ہو گیا۔(سیرت المصطفیٰ: ۲/ ۲۲۰)

۷؍ شوال ۳ھ کو ہفتہ کے دن مغرب کے وقت مسلمانوں کا قافلہ مدینہ پہونچا ہے، قافلہ کے ہر فرد کے دل پر ناکامی کا عجیب بوجھ ہے، قدم آگے بڑھ نہیں رہے ہیں، ماحول

سوگوار ہے، قریب تھا کہ حوصلے ٹوٹ جاتے، ممکن تھا کہ ہمتیں جواب دے جاتیں، خدشہ تھا کہ عزائم اور ولولے سرد پڑ جاتے، مگر اللہ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی رفاقت کے لئے صحابہ کی جس جماعت کا انتخاب کیا تھا، کیسے گوارہ کرسکتا تھا کہ اس جماعت کا کوئی فرد حالات کی دشواریوں سے پست حوصلہ ہو جائے اور مایوسی کا شکار ہو جائے اور اس کے قدم ڈگمگا جائیں، اللہ نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کے لئے، حالات سے اپنے مستقبل کی تعمیر کی خاطر نمایاں پیغام وعبرت حاصل کرنے کے لئے اور پست ہمتوں کو مضبوط رکھنے کے لئے مسلسل ۶۰/آیات نازل فرمائیں، اور یہ قرآن کا اعجاز تھا کہ ٹوٹے ہوئے دل نہ صرف یہ کہ جڑ گئے بلکہ ان کا ایمان، ان کا ولولہ اور عزم پہلے سے بڑھ گیا۔

اللہ نے گفتگو کا آغاز یوں فرمایا:

**وَلاَ تَهِنُوا وَلاَ تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ.** (آل عمران:۱۳۹)

مسلمانو: تم نہ تو کمزور پڑو، اور نہ غمگین رہو، اگر تم واقعی مؤمن رہو تو تم ہی سربلند رہوگے۔

پھر فرمایا:

**إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الأيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ، وَلِيُمَحِّصَ اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ، أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُواْ الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّهُ الَّذِينَ جَاهَدُواْ مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ، وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ.** (آل عمران: ۱۴۰-۱۴۳)

اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی اسی جیسا زخم پہلے لگ چکا ہے، یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں، اور مقصد یہ تھا کہ اللہ ایمان والوں کو جانچ لے، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید قرار دے، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا، اور مقصد یہ بھی تھا کہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے نکھار کر رکھ دے، اور کافروں کو ملیا میٹ کر ڈالے، بھلا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یوں ہی جنت کے اندر جا پہونچو گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانچ کر نہیں دیکھا جو جہاد کریں، اور نہ ان کو جانچ کر دیکھا ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہیں، اور تم تو خود موت کا سامنا کرنے سے پہلے شہادت کی موت کی تمنا کیا کرتے تھے، چنانچہ اب تم نے کھلی آنکھوں اسے دیکھ لیا ہے۔

اس طرح اہل ایمان کی تربیت کی گئی اور بتایا گیا کہ یہ حالات تمہارے ایمان و استقامت کا امتحان ہیں، اللہ اپنے بندوں کو ہر طرح سے آزماتا ہے، کامیابی اور فتح بھی امتحان ہے، ناکامی اور شکست بھی امتحان ہے، اور اللہ اس طرح کھرے کھوٹے، اچھے برے، مخلص منافق کو چھانٹ کر رہتا ہے۔

## غزوۂ حمراء الاسد

احد کا معرکہ اہل ایمان کے لئے ایک اہم تربیتی تجربہ گاہ ثابت ہوا، اور پھر اس تربیت کا رزلٹ نقد اس طرح ظاہر ہوا کہ:

مدینہ منورہ پہنچنے کے اگلے دن ۸؍شوال ۳؍ہجری اتوار کو خبر آتی ہے کہ قریش مکہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سے بھول ہوگئی، ہمیں مسلمانوں کو شکست دینے کے بعد مدینہ میں داخل ہو کر انہیں بالکل کچل دینا چاہئے تھا، اس لئے وہ دوبارہ حملہ کی تیاری سے آرہے ہیں، آپ ﷺ نے غایت

اطمینان کا مظاہرہ کیا، یہ سن کر آپ ﷺ ۷۰؍مجاہدین کے ساتھ فوراً سفر جہاد پر روانہ ہوگئے، صحابہ تھکے ہوئے تھے، زخم خوردہ تھے، مگر حکم رسول ﷺ کی اطاعت میں وہ فوراً نکل کھڑے ہوئے، آپ ﷺ مقام حمراء الاسد تک پہنچے، خلافِ معمول یہ سفر پورے اعلان اور تکبیر کے نعرے کے ساتھ ہوا، اس کا اصل مقصد مشرکین کو مرعوب کرنا تھا، تاکہ وہ مدینہ کی طرف آنے کی ہمت نہ کریں، ابوسفیان کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو اس نے کچھ مسافروں کے ذریعہ مسلمانوں کو ڈرانے کے لئے یہ پیغام بھیجا کہ تمام قریش متفق ہوکر مدینہ پر حملہ آور ہونے آرہے ہیں، یہ سن کر مسلمانوں نے بغایت اطمینان ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' کہا، قرآن نے اس کا ذکر کیا ہے:

**الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوا لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ، لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيْمٌ، الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ، فَاخْشَوْ هُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَانًا، وَ قَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ.** (آل عمران/۱۷۲-۱۷۳)

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لئے زبردست اجر ہے، وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ: یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لئے (پھر سے) جمع ہوگئے ہیں، لہذا ان سے ڈرتے رہنا، تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اٹھے کہ: ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

مشرکین پر مسلمانوں کے ان جذبات کی خبر سن کر بڑا رعب طاری ہوا، اور وہ تیزی سے مکہ کو روانہ ہوگئے، آپ ﷺ نے حمراء الاسد میں ۳؍دن قیام کیا، مگر دشمن کو حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوسکی۔ (البداية والنهاية: ٤٨/٤، شرح الزرقاني: ٥٩/٢، فتح الباري: ٣٧٧/٧)

# غزوۂ خندق

پھر ہجرت کے پانچویں سال غزوہ خندق کے موقع پر اس قرآنی تربیت کے بہت نمایاں اثرات سامنے آئے، پورا جزیرۃ العرب متحد ہوکر اسلام کے قلع قمع کے لئے مدینہ پر حملہ آور ہورہا تھا، اندر سے یہود اور منافقین لگے ہوئے تھے، قرآن نے پہلے ہی آگاہ کردیا تھا کہ ہر طرف سے دشمن امڈ آئیں گے، اور خوب اچھی طرح آزمایا جائے گا۔

سورۃ الاحزاب میں فرمایا گیا:

**إِذْ جَاؤُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ، هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالاً شَدِيداً.**

(الاحزاب: ۱۰-۱۱)

یاد کرو جب دشمن تم پر تمہارے اوپر سے بھی چڑھ آئے تھے، اور تمہارے نیچے سے بھی، اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں، اور کلیجے منھ کو آ گئے تھے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سوچنے لگے تھے، اس موقع پر ایمان والوں کی بڑی آزمائش ہوئی، اور انہیں ایک سخت بھونچال میں ڈال کر ہلا ڈالا گیا۔

پھر جب یہ منظر سامنے آیا اور دشمنوں کا ٹڈی دل لشکر خندق کے پار مقیم ہوا، تو یہ جائے اس کے کہ مسلمان پست ہمت ہوجاتے اور کمزوری دکھاتے، پوری ایمانی طاقت کا اظہار کرتے رہے اور قرآنی بیان کے مطابق:

**وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَاناً**

**وَتَسۡلِيۡماً، مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيۡهِ فَمِنۡهُم مَّن قَضَى نَحۡبَهُ وَمِنۡهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبۡدِيۡلا.** (الاحزاب ۲۲-۲۳)

جولوگ ایمان رکھتے ہیں، جب انہوں نے دشمن کے لشکروں کو دیکھا تھا، تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ: یہ وہی بات ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا، اور اس واقعہ نے ان کے ایمان اور تابعداری کے جذبہ میں اور اضافہ کر دیا تھا، انہیں ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، اسے سچا کر دکھایا، پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنا نذرانہ پورا کر دیا، اور کچھ وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں۔

احد کی ہزیمت کے بعد اللہ کے ذریعہ صحابہ کی تربیت فرمائی گئی اور اس کے نتیجے میں ان کو صبر وثبات، استقامت واستقلال کی جو دولت حاصل ہوئی اور جس کا اظہار غزوہ احزاب میں خوب خوب ہوا، آج کے حالات میں تمام اہل ایمان کے لئے مشعل راہ اور خضر طریق ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس پیغام کی طرف بھی توجہ دلا دی جائے جو غزوہ خندق سے آج پوری امت حاصل کر سکتی ہے، غور فرمایا جائے:

جنگ خندق میں یہود ومشرکین ومنافقین تینوں باطل طاقتیں اسلام کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر جمع تھیں، اور ان کو یہودی دماغوں نے یکجا کیا تھا، آپ ﷺ نے بے مثال جرأت وہمت، بے نظیر تدبر وحکمت اور جوش وہوش دونوں کے توازن کے ساتھ یہ معرکہ سر کیا تھا، آج بھی عالمی سطح پر امت مسلمہ کی صورتِ حال یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین تینوں باطل قوتیں اسلام کے خلاف متحد ہیں، اور ان کی قیادت شاطر یہودی دماغ کر رہے ہیں،

گویا دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کے سامنے غزوۂ احزاب والے حالات ہیں، اور قرآنی صراحت کے مطابق "مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ" اوپر اور نیچے ہر طرف سے دشمن تاک میں ہے، حالات پرخطر ہیں، آزمائش کا موقع ہے، ان حالات میں مسلمانوں کو اسوۂ نبوی اور اسوۂ صحابہ اختیار کرتے ہوئے مہاجرین وانصار کی طرح متحد ومنظّم اور تمام تعصّبات، فرقہ بندیوں، تحفظات اور کدورتوں سے نفور وگریزاں ہونا پڑے گا، اور دوسری طرف نبوی حکمت عملی سامنے رکھتے ہوئے اپنی بساط کے مطابق دشمنوں کی تنظیم اوران کے اتحاد واشتراک میں دراڑ پیدا کرنے، ان کو کمزور وکھوکھلا کرنے اور ان کے باہمی اختلاف کو ہوا دینے اور نمایاں کرنے کی سمت میں اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

ایسے حالات میں موجودہ مسلم ممالک جو ۵۰ر سے بھی زائد ہیں، ایک دوسرے کے لئے مشترک دشمن کے مقابلے میں ایک خندق اور فاصل اور روک کا مقام رکھتے ہیں، غزوۂ احزاب میں خندق کی تدبیر استعمال کی گئی تھی، اس کا سبق یہی ہے کہ تمام مسلم ممالک صرف اپنی اپنی سرحد اور مفاد کو پیش نظر نہ رکھیں؛ بلکہ پوری امت اور عالم اسلام کے مشترک اور وسیع تر مفاد کو سامنے رکھ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے متحدہ ومشترکہ نظام ولائحۂ عمل طے کریں، ورنہ احادیث کی صراحت کے مطابق ٹکڑیوں میں بٹے رہنے والے ان ممالک کو دشمن بھیڑیا ایک ایک کرکے لقمہ بناتا چلا جائے گا۔

## غزوۂ بنی المصطلق

حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا ایک معرکہ "غزوۂ بنو مصطلق" کے نام سے معروف ہے، اس غزوہ میں ایک انصاری اور حضرت عمرؓ کے غلام کے درمیان معمولی سی بات پر کچھ تیز وتند گفتگو ہوگئی، پھر انصاری نے اپنی مدد کے لئے انصار کو اور حضرت عمرؓ کے غلام نے مہاجر کو آواز دی اور اس طرح دو افراد کا جھگڑا دو گروہ کا جھگڑا بن گیا، عبداللہ بن ابی جو نفاق کے مرض میں

مبتلا تھا، بلکہ گروہ منافقین کی قیادت کرتا تھا، اور کسی ایسے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا، جس سے اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہونچے، اس نے اس موقع کو اپنی ناشائستہ حرکت کے لئے بہت غنیمت جانا اور انصار کو یہ کہہ کر برانگیختہ کیا کہ مہاجرین کے معاملہ میں تمہاری مثال عربوں کے اس محاورہ کی سی ہے کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو کہ وہ تمہیں ہی کاٹ کھائے "سمن کلبک یا کلک" عبداللہ بن ابی کی اس ریشہ دوانی کی اطلاع حضور اکرم ﷺ کو ایک کمسن انصاری صحابی نے دی، جب آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر استفسار فرمایا تو وہ صاف مکر گیا، کچھ دوسرے بزرگ انصار جو عبداللہ بن ابی کے نفاق سے واقف نہیں تھے، انہوں نے بھی عبداللہ بن ابی کی حمایت کی، اس موقع پر قرآن مجید کی آیت ان کمسن انصاری صحابی کی تصدیق میں نازل ہوئی، حضور ﷺ نے ازراہِ شفقت ان کی گوش مالی کرتے ہوئے، ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کی ہے۔

حضرت عمرؓ پر حق کا جوش غالب رہتا تھا، انہوں نے آپ ﷺ سے اجازت مانگی کہ عبد اللہ بن ابی کی گردن ماردی جائے، اگر حضور ﷺ اس کی اجازت مرحمت فرماتے تو یقیناً یہ بجا ہوتا کہ " الفتنة اشد من القتل "لیکن آپ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا کہ اگر میں ایسا کروں تو انصار کو غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے اور لوگ بھی ایسا سوچیں گے کہ محمد ﷺ خود اپنے رفقاء کو قتل کرا رہے ہیں، اس لئے آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی اور صحابہ کو کوچ کرنے کا حکم دیا، پھر آپ ﷺ پورے دن، رات اور آئندہ دن دوپہر تک خلاف معمول چلتے رہے، یہاں تک کہ صحابہ تھک کر چور ہوگئے تو آپ ﷺ نے پڑاؤ کرنے کا حکم دیا، اس مسلسل سفر کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اتنا تھک جائیں کہ انصار و مہاجرین کے درمیان جو تلخی وہاں پیدا ہوگئی تھی اس کا اثر جاتا رہے، پھر ایک وقت آیا کہ خود عبداللہ بن ابی کے صاحبزادے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ بہت مخلص مسلمان اور نبی کریم ﷺ کے خاص محبین میں تھے، انہوں نے درخواست کی کہ میں اپنے والد کے نفاق سے واقف ہوں اور اگر آپ کا حکم ہو تو میں خود انہیں

قتل کرسکتا ہوں، آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جب تک کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرے گا، میں اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا ہی معاملہ کروں گا، پھر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو یہ صورت حال بتائی کہ اگر ہم اس وقت عبداللہ بن ابی کے قتل کا حکم دیتے تو اس سے بعض مخلص مسلمانوں کو بھی غلط فہمی ہوسکتی تھی، لیکن اب یہ صورت حال ہے کہ خود ان کے بیٹے ان کا سر قلم کرنے کو تیار ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رائے میں برکت رکھی ہے۔ (مستفاد از: راہ عمل: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ۳۵۳،۳۵۴)

یہ واقعہ حسن تدبیر، تدبر و حکمت اور جذبات و جوش پر عقل و ہوش کو غالب رکھنے اور اشتعال سے بچنے کا بہت واضح نمونہ ہے، اسی کو قرآن و حدیث میں صبر سے تعبیر کیا گیا ہے، اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ صبر کے معنی بزدلی اور راہ فرار اختیار کرنے اور میدان عمل چھوڑنے کے نہیں ہیں، بلکہ صبر کی حقیقت حسن تدبیر، کسی بھی اقدام کے لئے درست اور مناسب موقع و محل کا انتخاب، اشتعال انگیز مواقع پر بھی اپنے کو بے برداشت ہونے سے بچانا اور حکمت کے ساتھ اپنے موقف پر ثابت قدم رہنا ہے۔

پوری سیرت نبویہ اسی حکمت و تدبر کی مثالوں سے لبریز ہے۔

## صلح حدیبیہ کا پیغام

بطور خاص صلح حدیبیہ کے موقع پر بار بار مخالفین کی طرف سے اشتعال انگیز حالات پیدا کئے گئے، صلح نامے میں اللہ کے نام کے آگے ''الرحمٰن الرحیم'' نہیں لکھنے دیا، آپ ﷺ کے نام کے آگے رسول اللہ نہیں لکھنے دیا، پھر یہ دفعہ لکھوائی کی اس سال نہیں، آئندہ سال عمرہ ہوگا، مزید یہ پابندی لگائی کہ صرف تین دن مکہ میں قیام ہوگا اور اس پر یہ بھی طے کرایا کہ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار نہیں لایا جاسکے گا اور تلوار بھی نیام میں رہے گی، اور سب سے زیادہ بے چین کرنے والی دفعہ یہ تھی کہ مدینہ سے جو مکہ آئے گا اسے واپس نہیں کیا جائے گا اور مکہ سے جو

مدینہ جائے گا اسے واپس کرنا ہوگا، مسلمانوں نے ان دفعات کو اور اس انداز کو ہتک آمیز سمجھا اور اکثر کو یہ صلح ناگوار ہوئی، مگر اللہ کے اشارے پر آپ ﷺ نے پوری حکمت کے ساتھ ان اشتعال انگیزیوں کے جواب میں ٹھنڈے دل سے ضبط کیا اور ہر بات منظور کر لی، اور اللہ نے بھی اسے فتح مبین قرار دیا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

درا صل آپ ﷺ کے پیش نظر یہ مصلحت تھی کہ مسلمان اہل مکہ سے مسلسل جنگ کی حالت میں ہیں، ہر صبح و شام خوف کی کیفیت سے گزر رہے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اہل مکہ کو معتدل فضاء میں اسلام اور اہل اسلام کو دیکھنے کا موقع نہیں مل پایا ہے، غلط فہمیوں کی دیواریں کھڑی ہیں، پھر اس خوف و دہشت کی فضاء میں کھل کر دعوت اسلام کا کام بھی نہیں ہوسکتا تھا، آپ ﷺ کو اس بات پر پورا اعتماد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے اندر جو کشش رکھی ہے، وہ بڑے سے بڑے دشمن کو بھی زیر کرے گی اور جن لوگوں کو میدان جنگ میں فتح نہیں کیا جا سکتا ہے، اسلام کی روحانی تعلیمات ان کے قلوب و اذہان کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صلح حدیبیہ میں آپ ﷺ کے رفقاء کم و بیش چودہ سو تھے، اس واقعہ کے صرف دو سال بعد مکہ فتح ہوا تو اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار رفقاء عالی مقام مکہ میں داخل ہوئے اور فتح مکہ کے بعد دو سال بعد جب آپ ﷺ نے حج فرمایا تو مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہو چکی تھی، غرض آغاز نبوت سے صلح حدیبیہ تک انیس سال کے عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد چودہ سو سے کچھ زیادہ تھی اور اگلے چار سال میں ان

کی تعداد یقیناً سوا ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی، جن میں سوا لاکھ کے قریب تو خود آپ ﷺ کے ساتھ حج میں شریک تھے، یہ اسی صبر کا کرشمہ ہے اور یہی فتح مبین ہے، جس کی اللہ نے خوشخبری دی تھی۔

آپ ﷺ کا یہ عمل مسلمانوں کے لئے اسوہ ہے کہ جب مسلمان مشکل حالات سے گزر رہے ہوں، وہ سیاسی اور افرادی مغلوبیت سے دوچار ہوں تو اس وقت خصوصاً اور ہر حال میں عموماً سماجی اور ملکی فضاء کو معتدل رکھنے کی کوشش کریں، جذبات پر عقل کو، تمناؤں اور آرزوؤں پر حقیقت پسندی کو، اشتعال اور نقصان دہ غیظ وغضب پر صبر اور خوش تدبیری اور مناسب موقع ومحل کے انتظار کو ترجیح دیں، ہر قدم پھونک کر اٹھائیں، ایسا ردعمل نہ ظاہر کریں جو خودکشی کے مترادف ہو اور جس سے قومی اور اجتماعی نقصان ہو، جس سے تعمیر کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوجائے اور ہماری ترقی معکوس ہوجائے، یاد رکھئے! ہندوستان کے موجودہ حالات میں ہمارا مشتعل اور بے برداشت ہوجانا فرقہ پرستوں کی سب سے بڑی کامیابی اور حسن تدبیر کے ساتھ ایسی سازشوں کا مقابلہ کرنا، فرقہ پرستوں اور ملک دشمنوں کی سب سے بڑی شکست ہے، یہ بظاہر ہزیمت ہے اور حقیقت میں فتح مبین۔ (راہ عمل: ۲۸۴-۲۸۵)

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہمارے مخالفین ہمیں مشتعل کرنا چاہتے ہیں، اور جذباتیت میں مبتلا کر کے ہم سے ایسے اقدامات کرانا چاہتے ہیں جس سے برادران وطن میں ہماری امیج خراب ہو، میڈیا کے ذریعہ ہمارے خلاف پرزور پروپیگنڈہ ہوسکے اور مخالفین کے ووٹ بینک میں اضافہ ہو، مزید برآں یہ بھی حقیقت ہے کہ جو قوم بات بات پر اشتعال میں آجایا کرتی ہے، اس کی قوت لایعنی مسائل میں صرف ہوتی رہتی ہے، وہ طویل المدت منصوبہ بندی سے اور کسی بھی ٹھوس اور تعمیری اقدام سے محروم ہوجاتی ہے۔

آپ ﷺ کو بھی مکہ و مدینہ میں بار بار مشتعل کرنے کی کوششیں ہوئیں، مشرکین نے بار ہا ایسے حالات پیدا کیے، مدینہ میں یہودیوں نے کبھی براہ راست اور کبھی مار آستین منافق گروہ کے واسطے سے الجھانے اور مشتعل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، مگر آپ ﷺ نے کبھی ان حرکتوں سے متاثر ہوکر مسلمانوں کی صلاحیتیں ان کے جواب میں صرف نہیں ہونے دیں، کبھی آپ ﷺ نہ خود بے برداشت ہوئے، نہ صحابہ کو بے برداشت ہونے دیا، بلکہ آپ ﷺ پوری قوت و حکمت سے اپنی دعوتی اور اصلاحی مہم میں لگے رہے، امت کی فکری و عملی تربیت کا مشن بڑھاتے رہے، طویل المدت منصوبہ بندی کے ذریعہ حق کے خلاف برپا حملوں کا سدباب کرنے میں لگے رہے، جس نے بالآخر مسلمانوں کو غلبہ اور فتح سے ہمکنار کیا۔

غرض یہ کہ آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ صبر و ضبط اور حکمت و تدبر سے عبارت ہے، آج ہندوستان کے موجودہ حالات میں مسلمانوں کو انہیں اوصاف کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، امت کے سامنے بڑا چیلنج ہے کہ بزدلی، کم ہمتی، کوتاہ حوصلگی اور بے غیرتی کے ساتھ نہیں رہنا ہے، بلکہ اپنی مومنانہ نگاہ کھلی رکھنی ہے، دشمنوں کی سازشیں سمجھنی ہیں، اور دشمن کے بچھائے دام میں الجھ کر اپنی منزل کھوٹی کرنے سے پوری حساسیت اور فکرمندی کے ساتھ بچنا ہے، غیر معتدل بیان بازیوں، بے سود احتجاجی حرکتوں، اشتعال انگیز تقریروں اور لاحاصل نمائشی مزاحمتوں کا سطحی (شارٹ کٹ) راستہ اختیار نہیں کرنا ہے اور یہ شعور پیدا کرنا ہے کہ ملت کا غلبہ اور عظمت بہت اہم اور طویل مدتی منصوبہ ہے اور:

> فرد و جماعت کی سطح پر بے شمار اسباب فراہم کرنے کے بعد وہ وقت آتا ہے جب کہ ملت اپنی پوری شان کے ساتھ زندہ ہو اور وہ ایک طاقتور قوم کی حیثیت سے زمین پر اپنی جگہ حاصل کر لے، مگر جب اس قسم کا منصوبہ پیش کیا جاتا ہے تو کہنے والے فوراً کہہ دیتے ہیں یہ تو بڑا لمبا منصوبہ ہے، اس کو

پورا ہونے میں سو سال لگ جائیں گے، ایسے لوگوں کو ہمارا جواب صرف ایک ہے: جب ایسا ہے تو ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی اپنا وقت کھونا نہیں چاہئے، ہم کو چاہئے کہ ہم آج ہی پہلی فرصت میں اپنا ''درخت'' نصب کردیں۔ (راہیں بند نہیں: مولانا وحید الدین خاں: ۲۳)

## (۵) ٹھوس منصوبہ بندی اور مثبت امکانات کی تلاش

کسی بھی قوم اور ملت کی بقاء وارتقاء کے لئے یہ پہلو بنیادی اہمیت رکھتا ہے کہ وہ قوم میدان زندگی میں کبھی مایوس اور بے عمل نہ ہو، حالات کیسے ہی مخالف اور صورت حال کیسی ہی ناسازگار ہو، قوم اپنے مشن سے بالکل غافل نہ رہے، اپنی بقاء وتحفظ کے لئے ٹھوس منصوبہ بندی کے ساتھ آگے بڑھے، کبھی منفی ذہنیت نہ پیدا ہونے دے، بلکہ ہمیشہ مثبت امکانات کی جستجو جاری رکھے، مسلسل اور مخلصانہ جستجو کی برکت سے منزلیں بالآخر مل جاتی ہیں، اور مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ امت کے لئے ابھرنے اور غالب آنے کے امکانات کبھی ختم نہیں ہوتے، اللہ نے یہ دنیا امکانات سے لبریز بنائی ہے، حالات کسی کو ایک بار گرادیں تو اس کے لئے مایوسی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، وہ دیگر مواقع کا استعمال کر کے اپنے از سر نو ابھرنے کا سامان کرسکتا ہے، شرط صرف یہ ہوتی ہے کہ انسان عقل وخرد سے کام لے اور مسلسل جد وجہد سے کبھی اکتاہٹ کا شکار نہ ہو، صورت حال کیسی ہی ناموافق کیوں نہ ہو، نئی کامیابی کا امکان ہمیشہ آس پاس ہوتا ہے، ضرورت اس کی جستجو اور عزم وکوشش کی ہوتی ہے، زندگی ایک سفر ہے اور بقول ایک مصنف:

> زندگی کی جد وجہد میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی محسوس کرتا ہے کہ اس کا راستہ بند ہے، مگر اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ سامنے کا راستہ بند

ہے، نہ کہ ہر طرف کا راستہ بند، جب بھی ایک راستہ بند ہوتو دوسرے بہت سے راستے کھلے ہوئے ہوں گے، عقل مند شخص وہ ہے جو اپنے سامنے ''سڑک بند ہے'' کا بورڈ دیکھ کر رک نہ جائے بلکہ دوسرے راستے تلاش کر کے اپنا سفر جاری رکھے۔

ایک میدان میں مواقع نہ ہوں تو دوسرے میدان میں اپنے لئے مواقع کا رتلاش کر لیجئے، حریف سے براہ راست مقابلہ ممکن نہ ہوتو بالواسطہ مقابلہ کا طریقہ اختیار کیجئے۔ آگے کی صف میں آپ کو جگہ نہ مل رہی ہوتو پیچھے کی صف میں اپنے لئے جگہ حاصل کر لیجئے، ٹکراؤ کے ذریعہ مسئلہ حل ہوتا نظر نہ آتا ہوتو مصالحت کے ذریعہ مسئلہ کے حل کی صورت نکال لیجئے، دوسروں کا ساتھ حاصل نہ ہو رہا ہوتو تنہا اپنے کام کا آغاز کر دیجئے، چھت کی تعمیر کا سامان نہ ہوتو بنیاد کی تعمیر میں اپنے کو لگا دیجئے، بندوں سے ملتا ہوا نظر نہ آتا ہوتو خدا سے پانے کی کوشش کیجئے، ہر بند سڑک کے پاس ایک کھلی سڑک بھی ہوتی ہے مگر اس کو وہی لوگ پاتے ہیں جو آنکھ والے ہوں۔

اس دنیا میں اس وقت بھی ایک نیا امکان چھپا ہوا موجود ہوتا ہے جب کہ آدمی کا اثاثہ جل کر راکھ ہو گیا ہو، آدمی کو چاہئے کہ وہ کبھی بھی مایوس نہ ہو، بربادی سے دوچار ہونے کے بعد فوراً ہی وہ اپنی عقل کو نئی راہ تلاش کرنے میں لگا دے، وہ پائے گا کہ جہاں اس کے لئے ایک امکان ختم ہوا تھا وہیں دوسرا زیادہ بہتر امکان اس کا انتظار کر رہا ہے، جہاں ایک تاریخ ختم ہوئی تھی وہیں اس کے لئے ایک نئی تاریخ شروع ہو گئی۔

(رازحیات: مولانا وحید الدین خاں: ۸۱، ۸۳)

ہندوستان کی موجودہ صورت حال میں ’’ٹھوس منصوبہ بندی اور مثبت امکانات کی جستجو‘‘ کے حوالے سے یہ چند پہلو بطور خاص قابل توجہ ہیں:

## تعلیم

سب سے اہم پہلو امت کے ہر ہر فرد کو تعلیم یافتہ بنانے کی فکر ہے، امت کی سب سے بڑی کمزوری جہالت ہے، بے شمار آفتیں اور نقصانات اسی وجہ سے سامنے آتے ہیں، باہم نفرت و اختلاف کی فضا پروان چڑھنے کا بھی بہت کچھ تعلق اسی جہالت سے ہوتا ہے، موجودہ دور بطور خاص علمی ترقی کا دور ہے، اور مقابلہ جاتی دور ہے، اور ان حالات میں وہی قوم یا افراد کامیاب، بامراد، باعزت اور سرخ رو ہو سکتے ہیں جو علمی اعتبار سے اپنا تفوق اور اپنی برتری ثابت کر سکتے ہوں۔

امت کا المیہ یہ ہے کہ تعلیمی اعتبار سے اس کا گراف بہت نیچے ہے، اور جن طاقتوں سے امت کو براہِ راست مقابلہ درپیش ہے وہ اس حوالے سے بہت آگے ہیں، ظاہر ہے کہ ہم جہالت کی اس لعنت کے ساتھ اپنے تعلیم سے آراستہ مخالفین کے مقابلے کی پوزیشن میں کیسے آسکتے ہیں۔

ہندوستان میں بسنے والی مسلم امت کی صورت حال یہ ہے کہ تعلیمی میدان میں اس کا گراف دلتوں سے بھی بہت نچلی سطح تک آچکا ہے، ایسا لگتا ہے کہ امت نے اپنا سفر آگے کے بجائے پیچھے کی طرف طے کرنا شروع کر دیا ہے، اس تعلیمی پسماندگی کا سب سے بنیادی سبب امت کی بے شعوری ہے، امت کا ایک بہت بڑا طبقہ تعلیم کی اہمیت سے پورے طور پر بے خبر ہے، اس کے سامنے صرف بچوں کا معاشی مستقبل ہے، یہی وجہ ہے کہ پہلی کوشش کسی بھی طرح بچوں کو روزگار سے جوڑنے کی ہوتی ہے، حضور اکرم ﷺ کی سیرت معاشی ضرورت پر تعلیمی ضرورت کو مقدم رکھنے اور ترجیح دینے کی تھی، اور آپ ﷺ کی پیروکار امت کا ایک بہت بڑا

طبقہ اس پہلو سے آپ کے اسوہ سے استفادے کو تیار نہیں ہے، ہمیں سمجھنا ہوگا کہ ؎

بس اب وقت کا حکم ناطق یہی ہے
کہ جو کچھ جہاں میں ہے تعلیم ہی ہے

تعلیمی بدحالی کے اسباب میں ایک اہم سبب امت کا اسراف اور فضول خرچی کا قابل لعنت عمل ہے، فضولیات میں خوب خوب خرچ کرنے کا انجام تعلیم جیسے اہم ترین مشن کے لئے کچھ نہ کر سکنے کی صورت میں ہی برآمد ہوتا ہے۔

تیسرا سبب: بچوں کے گارجین (والدین اور سرپرستوں) کی طرف سے بچوں کے تعلیمی معیار، ترقی، استحکام، تسلسل جیسے اہم اور حساس امور سے مجرمانہ حد تک غفلت و لاپرواہی کا مزاج ہے، اسی مزاج کے نتیجے میں بچوں کا ذہن غیر تعلیمی بلکہ تخریبی سرگرمیوں میں لگنا شروع ہوتا ہے اور پھر وہ بگاڑ کے راستے پر چل پڑتے ہیں۔

ایک بہت بنیادی سبب ہماری تعلیمی زبوں حالی کا یہ ہے کہ مسلم مینجمنٹ کے تحت قائم بیشتر تعلیمی اداروں میں پورے طور پر مسلط نفع اندوزی کا رجحان ہے، وہاں تعلیم کو مقدس فرض باور کرنے کے بجائے کم وقت میں اور انتہائی قلیل مصارف میں بہت زیادہ نفع حاصل کرنے کے اصول پر مبنی تجارت سمجھا جاتا ہے، اور ان کے دروازے خطیر رقم ادا کرنے والوں ہی کے لئے کھلتے ہیں، اللہ کرے کہ علم کے یہ تاجر علم کو تجارت کے بجائے عبادت اور کاروبار کے بجائے مقدس خدمت سمجھنے لگیں اور پوری امت کو ایک کنبہ سمجھ کر قوم کے نونہالوں کی جہالت سے بے چین ہو جائیں اور اپنا فرض ادا کرنے کے لئے سرگرم ہو جائیں۔

امت مسلمہ کے لئے سب سے اہم بنیاد قرآن، سنت اور سیرت ہے، نبی اکرم ﷺ پر وحی کا آغاز سورۃ العلق سے کی جن ابتدائی آیات سے ہوا وہ تھیں:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ،

اِقْرَأْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ. (العلق/١-٥)

پڑھو اپنے پروردگار کا نام لیکر جس نے سب کچھ پیدا کیا، اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے، پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی، انسان کو اس بات کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔

یہ نبوت کا پہلا دن تھا، یہ وحی الٰہی کے پہلے بول تھے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ذرا وحی کے ان ابتدائی بولوں پر بھی اور ان میں موجود پیغام کی طرف بھی توجہ فرمایئے، آپ غور فرمایئے کہ صدیوں کے بعد آسمان سے زمین کی ملاقات ہو رہی ہے، وحی الٰہی کا نزول ایک لمبی مدت کے بعد ہو رہا ہے، فرشتہ آخری نبی سے پہلی ملاقات میں جو بات کہہ رہا ہے، اس کا تعلق عبادت یا عقیدے سے نہیں ہے، اس کا تعلق علم ومعرفت سے ہے، یہ اشارہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ کا آخری نبی جس عہد میں مبعوث کیا جا رہا ہے، وہ علم وتحقیق کا عہد ہے، اسے علم ومعرفت کا نبی بنا کر مبعوث کیا جا رہا ہے، اس کا لایا ہوا انقلاب وہ جامع انقلاب ہوگا جو علمی بھی ہوگا اور عملی بھی، اصلاحی بھی ہوگا اور تربیتی بھی، تہذیبی بھی ہوگا اور فکری بھی، جو دل ودماغ کو، فکر ونظر کو، شعور وسراپا کو، قلب وقالب کو، ظاہر وباطن سب کو بدل کر رکھ دے گا، واضح کیا جا رہا ہے کہ یہ نبی اس پوری کائنات کو علم ومعرفت کے ایک نئے دور میں لے جائے گا، حکم دیا جا رہا ہے:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. (العلق/١)

مقام غور ہے، پڑھنے کا حکم ہے، مگر یہ متعین نہیں کیا جا رہا ہے کہ کیا پڑھئے؟ گویا سمجھایا جا رہا ہے کہ وہ سب کچھ پڑھئے، جو آپ کے لئے، انسانیت کے لئے، کائنات کے لئے نفع بخش ہو، اسی لئے آپ ﷺ کی دعا ہے:

**اَللّٰھُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُکَ عِلْماً نَافِعاً**.(مشکوۃ المصابیح: الدعوات: باب جامع الدعاء)

خدایا: میں آپ سے نفع بخش علم مانگتا ہوں۔

اور یہ دعا بھی منقول ہے:

**اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ**. (مشکوۃ المصابیح: الدعوات: باب الاستعاذۃ)

اے اللہ: میں ایسے علم سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو۔

پہلی وحی کے ذریعہ یہ پیغام دیا جا رہا ہے کہ آخری پیغمبر علیہ السلام کا لایا ہوا دین اور نظام علوم وفنون کے باب میں بے حد وسیع النظر اور فراخ دل ہے، ہر وہ علم وفن جو انسانیت کے مفاد میں ہو، جس سے کائنات کا نفع وابستہ ہو، اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ اس کا سرا اللہ کے نام اور نظام سے جڑا ہوا ہو، یہ متعین نہیں کہ کیا پڑھنا ہے، ہر نفع بخش چیز پڑھی جاسکتی ہے، ہاں یہ متعین ہے کہ جو کچھ پڑھا جائے، وہ اللہ کی وحدانیت، اس کی ذات وصفات واسماء وقدرت پر کامل یقین اور صحیح عقیدہ کے ساتھ پڑھا جائے۔

ارشاد نبوی ہے:

**اَلْکَلِمَةُ الْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ، فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ أَحَقُّ بِھَا**. (مشکوۃ المصابیح: کتاب العلم)

علم وحکمت کی بات صاحب ایمان کی متاع گمشدہ ہے، لہذا جہاں سے بھی علم ملے، صاحب ایمان اس کو حاصل کرنے کا سب سے بڑھ کر حقدار ہے۔

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا، جو علم اور نبوت کے رشتے کو آشکارا کر رہا ہے، حضور اکرم ﷺ نے اپنا طریقۂ زندگی بتاتے ہوئے سب سے پہلے فرمایا تھا:

**اَلْمَعْرِفَةُ رَأسُ مَالِيْ.** (الشفاء: قاضی عیاض :١/١٢٨)

**معرفت میرا سرمایۂ زندگی ہے۔**

**آپ ﷺ کی سیرت میں غزوہ بدر نمایاں اہمیت کا حامل واقعہ ہے، اس غزوہ میں ٧٠/ مخالفین گرفتار ہوئے، جن میں دو کو تو سنگین جرائم کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تھا، باقی ٦٨/ قیدیوں کے ساتھ اکرام واعزاز کا بے مثال معاملہ ہوا، مدینہ منورہ آ کر آپ ﷺ نے قیدیوں کی بابت صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ یہ کفر کے ستون ہیں، ان کی سزا قتل ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدیہ کے عوض رہا کرنے کی رائے دی، آپ ﷺ کی شانِ رحمت وعفو نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی۔**(المستدرك:٣/٢١)

**چناں چہ قیدیوں میں جو پڑھے لکھے لوگ تھے، ان کا فدیہ دس مسلمان بچوں کو پڑھانا طے ہوا۔**(طبقات ابن سعد:٢/١٤، شرح المواهب :زرقانی:١/٤٤٢)

**یہ اقدام ایجوکیشن فار آل (سب کے لئے تعلیم) کی انقلابی مہم کے تحت ہوا، اس سے اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ علم اپنے دشمنوں سے ملے تو بھی اسے سیکھا جائے۔**

**ہمارے موجودہ حالات میں ملت کے دردمند افراد کو یہ فکر اپنے اوپر سوار کرنی پڑے گی کہ امت کا کوئی فرد تعلیم سے محروم نہ رہے، اور اس راہ میں جو رکاوٹیں ہوں، مالی یا غیر مالی ان کے ازالہ کی ہر ممکن کوشش ہمارا فرض ہے۔**

**مشہور صاحب قلم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے خوب لکھا ہے:**

**اس ذلت وپستی سے نکلنے کے لئے اس کے سوا کوئی اور صورت نہیں کہ مسلم محلوں اور آبادیوں کے گلی کوچوں میں تعلیم کی ایسی ہی تحریک چلائی جائے جیسے الیکشن میں امیدوار ووٹوں کی بھیک مانگتا ہے، مسلمان پوری قوم**

کو اپنا خاندان و کنبہ تصور کریں، وہ اپنے بچوں کی تعلیم پر بھی توجہ کریں اور اپنے پڑوسیوں کی بھی خبر گیری کریں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی طالب علم پڑھتے پڑھتے رک گیا ہو، معاشی ناہمواری نے اس کے بڑھتے ہوئے قدم تھام لئے ہوں یا وہ نفسیاتی کم حوصلگی کا شکار ہو گیا ہو، ایسے بچوں کا حوصلہ بڑھائیں اور اجتماعی طور پر سماج کے ایسے بچوں کی تعلیمی کفالت قبول کریں، ایسی درسگاہیں قائم کریں، جس کا نصب العین قوم کی خدمت ہو، جو تعلیم کو تجارت اور روپیوں کا ٹکسال نہ سمجھتے ہوں، بلکہ پوری امت کو ایک خاندان سمجھ کر ان کی خدمت کے لئے میدان عمل میں اترے ہوں، جن کو ہوٹلوں اور معمولی کارخانوں میں کمسن مسلمان بچوں کا برتن دھونا اور جھاڑو دینا تڑپا دیتا ہو، جن کے چہرے بشرے سے ذہانت ہویدا ہے اور جن کی آنکھیں ان کی اندرونی ذکاوت وفراست کی چغلی کھاتی ہیں۔

جب تک قوم کے سربرآوردہ لوگوں میں پوری قوم کے لئے درد اور کسک پیدا نہ ہو، مسلمانوں کی پست حالی ان کی کروٹوں کو بے سکون اور ان کی آنکھوں کو بے آرام نہ کردے، مسلم تعلیمی ادارے مکان کی تعمیر کے بجائے انسان کی تعمیر کی طرف متوجہ نہ ہوں، جو تعلیم و تعلم کو تجارت کے بجائے عبادت کا درجہ دینے پر آمادہ نہ ہوں اور پوری قوم میں یہ احساس نہ جاگے کہ تعلیم ہی سے ہماری تقدیر وابستہ ہے، یہ ہماری شہ رگ ہے اور اس سے محرومی کے بعد کسی قوم کے لئے باعزت طور پر زندہ رہنا ناممکن ہے، تب تک ہمارا خوابیدہ نصیب جاگ نہیں سکتا اور ہم روٹھے ہوئے ماضی کو منا کر واپس نہیں لاسکتے۔ (دینی وعصری درسگاہیں تعلیمی مسائل: ۱۷۴-۱۷۵)

## ذرائع ابلاغ کا وسیع اور مؤثر استعمال

امت مسلمہ کے افراد منفی پروپیگنڈوں اور مغالطوں کے ازالے کے لئے، معاندین کے ذریعہ اسلام، تعلیمات اسلام اور اہل اسلام کی پیش کی گئی خراب شبیہ کے جواب میں اپنی اصل اور پاکیزہ تصویر پیش کرنے کے لئے اور ذہنوں کو اسلام سے قریب لانے کے لئے پرنٹ، الکٹرانک اور سوشل میڈیا کا بھرپور اور مؤثر استعمال کر سکتے ہیں، آج کے حالات میں اپنا پیغام بہت کم وقت میں اور دور دور تک منتقل کرنے کے یہ ذرائع دعوتی نقطۂ نظر سے ہمارے لئے اللہ کی عظیم نعمت ہیں، جن کے مثبت استعمال سے ہم حالات کو اپنے قابو میں کر سکتے ہیں اور ناخوشگوار فضا کو خوشگوار بنا سکتے ہیں۔

## غیر مسلم برادران وطن سے خوشگوار تعلقات

معاصر حالات میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان روابط اور تعلقات کا معاملہ انتہائی اہمیت کا حامل اور حساس مسئلہ بن کر سامنے آیا ہے، باعث تعجب وتأسف ہے کہ اکثر مسلمان اس تعلق سے حقیقی اسلامی تعلیمات سے بے خبر ہیں اور اسی لئے وہ اس حوالے سے اسلام کے خلاف پھیلائے جارہے مغالطوں اور الزامات کا دفاع کرنے اور اصلی اسلامی نظام کو مضبوط انداز میں پیش کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

## کثیر مذہبی معاشرہ

ہندوستانی معاشرہ دراصل کثیر مذہبی معاشرہ ہے جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے رہتے ہیں، تاریخ پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ کثیر مذہبی معاشرے کی بنیاد اسلام نے رکھی ہے، قرآن نے ” لکم دینکم و لی دین“ کے الفاظ سے واضح کیا ہے کہ ایسا کثیر مذہبی سماج تشکیل دیا جاسکتا ہے جس میں مختلف مذاہب کے حاملین امن اور بقائے باہمی کے

اصول کے ساتھ زندگی گذاریں، حیات نبوی میں مکہ اور حبشہ کی صورت حال اور پھر ہجرت کے بعد میثاق مدینہ کی تفصیلات سے اس کو بہ خوبی سمجھا جا سکتا ہے۔

غیر مسلموں سے روابط و تعلقات کے معاملے میں اسلام نے انتہائی بنیادی، جامع اور اخلاقی اصول و ہدایات امت کو دی ہیں۔

## انسانیت ایک کنبہ ہے

اس تعلق سے سب سے پہلی بنیاد یہ بتائی گئی ہے کہ پوری انسانیت ایک کنبہ ہے، پوری انسانیت کی تخلیق کا آغاز ایک ہستی سے ہوا ہے، اسی ہستی سے اللہ نے اس کا جوڑ پیدا کر کے پھر اس جوڑے سے پوری انسانیت کو وجود بخشا ہے۔ (سورۃ النساء:۱)

حدیث میں فرمایا گیا:

اَلْـخَـلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ، فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللّٰهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ.

مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اللہ کی مخلوق میں سب سے پسند اللہ کو وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

غور فرمایا جائے!

اسلام نے پوری انسانیت کو ایک خاندان اور کنبہ قرار دے کر اپنے حاملین کو انسانی اخوت اور انسانی بنیادوں پر باہم الفت و محبت اور خیر خواہی کا سبق اور پیغام دیا ہے۔

## احترام انسانیت

دوسری بنیاد احترام انسانیت ہے، جو اس دنیا کے لئے اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے گراں قدر عطیات میں سے ہے، قرآن نے انسان کی شرافت اور کرامت، دیگر

مخلوقات پر اس کی امتیازی فضیلت اور اس کے سب سے خوب صورت سانچے میں پیدا کئے جانے کا واضح طور پر ذکر کیا ہے۔ (الاسراء:۷۰، التین:۴)

سیرت نبوی میں اس کی عملی مثالیں بے شمار ہیں، ایک یہودی کے جنازے کو دیکھ کر آپ ﷺ کھڑے ہوگئے اور کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ کیا یہ انسان نہیں تھا؟ (مشکوۃ المصابیح: کتاب الجنائز، باب القیام للجنازۃ)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی نگاہ میں انسانی وجود کی قیمت اور اہمیت کیا تھی۔

اسلام کے جنگی قوانین کا طائرانہ مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ کیسی حکمت اور ہمدردی کے ساتھ اسلام نے احترام انسانیت کی بنیاد کو ہر ہر مرحلے پر پیش نظر رکھا ہے۔

## سماجی تعلقات

مسلمانوں اور غیر مسلموں میں تعلقات کا ایک پہلو ''سماجی تعلقات'' ہیں، اس سلسلے میں قرآن نے یہ اصول طے کیا ہے:

> اے مسلمانو: جو تم سے دین کے معاملے میں برسر پیکار نہیں ہیں، اور نہ انہوں نے تم کو تمہارے گھر سے نکالا ہے، اللہ تم کو ان کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف سے نہیں روکتا، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (الممتحنہ:۸)

اس آیت نے واضح کر دیا ہے کہ جو غیر مسلم مسلمانوں سے برسر پیکار نہ ہوں، مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کریں۔

روایات میں آتا ہے کہ بعض انصار صحابہ اپنے بعض ضرورت مند قرابت دار یہودیوں کی مالی امداد اس لئے نہیں کرتے تھے کہ پہلے وہ اسلام قبول کریں تب ان کی مدد کی جائے گی، اللہ نے اس کو پسند نہیں فرمایا، اور بہر صورت مالی امداد کی تلقین کی۔ (ملاحظہ ہو: سورۃ البقرۃ:۲۷۲، تفسیر قرطبی:۳/۳۳۷)

سماجی تعلقات کا سب سے اہم پہلو امن وامان (جان، مال اور آبرو کی حفاظت) ہے، اسلام نے غیر مسلموں کی جان مال آبرو کو مسلمانوں کی طرح محترم قرار دیا ہے، کسی انسان کے بلا وجہ قتل کو پوری انسانیت کا قتل بتایا گیا ہے۔ (المائدہ:۳۲) قرآن نے قصاص کے اصول کو مطلق رکھا ہے۔ (المائدہ:۴۵) جس سے واضح ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان بلا وجہ کسی غیر مسلم کو عمداً قتل کردے تو مسلمان سے قصاص لیا جائے گا، پھر بلا قصد و ارادہ خطاً قتل کی صورت میں دیت کا جو حکم ہے اس میں بھی مسلمان اور غیر مسلم برابر رکھے گئے ہیں، ایک حدیث میں آیا ہے:

دِمَاءُ هُمْ كَدِمَاءِ نَا، وَأَمْوَالُهُمْ كَأَمْوَالِنَا. (نصب الرایه: ٤/ ٣٦٩)

غیر مسلموں کے خون ہمارے خون کی طرح اوران کے مال ہمارے مال کی طرح ہیں۔

مسلمانوں کی املاک کی طرح غیر مسلموں کی املاک بھی محترم ہیں، بغیر ان کی رضا کے ان کا مال استعمال کرنا جائز نہیں ہے، چوری پر ہاتھ کاٹنے کی جو سزا اسلام میں ہے اس میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے مال کی چوری کا حکم یکساں رکھا گیا ہے۔

اسی طرح عزت وآبرو کا معاملہ ہے، شریعت کی اس ضمن میں تعلیمات عام ہیں، سماجی تعلقات کے دائرے میں خوشی اور غم میں شرکت، عیادت، تعزیت، کھانا، کھلانا، پڑھنا، پڑھانا، حوصلہ افزائی، دل داری سب آجاتے ہیں۔

## معاشی تعلقات

باہمی روابط کا دوسرا پہلو ''معاشی تعلقات'' ہیں، اسلام نے اس میں بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کوئی تفریق نہیں رکھی ہے، آپ ﷺ نے فتح خیبر کے بعد یہودیوں

سے بٹائی کا معاملہ طے فرمایا، نبوت کے بعد بھی بعض غیر مسلموں کے ساتھ مضاربت کا معاملہ رکھا، حضرت علیؓ نے ایک یہودی کے ہاں مزدوری کی، حضرت خبابؓ نے غیر مسلم کے لئے کام کیا، سفر ہجرت میں رہبر کے طور پر غیر مسلم کا انتخاب ہوا، مسلم عہد حکومت میں متعدد غیر مسلم افراد اہم اور کلیدی عہدوں اور مناصب پر رہے، اس تفصیل سے غیر مسلموں سے معاشی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے اور اسلام کی وسیع النظری ثابت ہوتی ہے۔

## سیاسی تعلقات

آپسی تعلقات کا تیسرا حصہ ''سیاسی تعلقات'' ہیں، سیاسی حالات زندگی کے تمام شعبوں پر اثر انداز ہوتے ہیں، اور سماج کا امن وامان بھی راست طور پر سیاسی حالات سے ہی مربوط ہوتا ہے، اسی لئے اسلام نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان سیاسی روابط و تعلقات کی گنجائش رکھی ہے، سیاسی مشترک روابط کے لئے پہلا اصول مبنی بر انصاف قوانین کی پابندی ہے، اور دوسرا اصول ظلم کی مخالفت اور اس کی روک تھام میں آپسی تعاون ہے، احادیث میں اور خود سیرت نبویہ میں اس کی پوری تفصیل ملتی ہے۔

## مذہبی تعلقات

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی روابط کا چوتھا اور سب سے اہم پہلو ''مذہبی تعلقات'' ہیں، اسلام نے اپنے پیروکاروں کو مذہب کے تعلق سے ایک طرف اپنے دین پر استقامت کی تاکید کی ہے اور دوسری طرف اس کا بھی پابند بنایا ہے کہ دوسروں کے مذہبی جذبات کا مکمل احترام رکھا جائے۔

یہ واضح رہنا چاہئے کہ مسلمانوں کے لئے ہر جگہ اور ہر طرح کے حالات میں عقائد (مثلاً توحید، رسالت و آخرت) عبادات (مثلاً نماز، روزہ وغیرہ) پرسنل لا (مثلاً نکاح، طلاق، میراث وغیرہ) معاملات (مثلاً تجارت، اجارہ، سود وغیرہ) چاروں میں شرعی قانون

کی مکمل پابندی ضروری ہے، اور غیر مسلموں سے تعلق کی کوئی بھی بنیاد ان شرعی قوانین کی پیروی سے دست برداری کی قیمت پر استوار کرنا بالکل ناجائز ہے، دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی شناخت کی ہر دم حفاظت کرتے رہیں اور تہذیبی اعتبار سے اپنا وجود دوسروں کے ساتھ ضم نہ کریں۔

شریعت اس کے ساتھ ہر مسلمان کو دوسرے مذاہب کے احترام اور ان کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہ کرنے کا بھی پابند بناتی ہے، اسی لئے مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ:

(۱) وہ کسی غیر مسلم کو قبول اسلام پر مجبور نہ کریں۔

(۲) غیر مسلموں کے معبودوں کو برا نہ کہیں۔

(۳) ان کے مذہبی جذبات کو مجروح نہ کریں۔

(۴) ان کی عبادت گاہوں کا احترام ملحوظ رکھیں۔

اس موضوع کی مکمل تفصیلات کے مطالعہ سے اسلام اور اہل اسلام کی رواداری اور فراخ قلبی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

## موجودہ حالات اور ہمارا فرض

اس وقت ہمارے ملک میں بدقسمتی سے اقتدار ان افراد کو حاصل ہے جن کی نمایاں شناخت فرقہ پرستی اور تشدد ہے، بطور خاص مسلمانوں کے لئے آزمائش کے سخت حالات ہیں۔

ان حالات میں ایک طرف ہم کو اپنے اور اپنی نسلوں کے ایمان وعقیدے کے تحفظ کی فکر کرنی ہے کہ یہی وہ واحد متاع عزیز ہے جو ہمارے لئے سامان نجات اور مایۂ فخر ہے۔

دوسری طرف ہمیں اپنے غیر مسلم بھائیوں (جن کی اکثریت آج بھی امن پسند ہے) کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر بنانے ہوں گے، بطور خاص معاملات اور اخلاق کے شعبوں میں ہمیں اسوۂ نبوی کو سامنے رکھ کر مستقبل کی منصوبہ بندی کرنی ہوگی، حسن معاملات اور حسن

اخلاق کے ہتھیار سے ہی ہمارے اسلاف نے غیروں کے دل فتح کئے تھے، یہی نسخہ ہم کو بھی اپنانے کی ضرورت ہے۔

غیر مسلم برداران وطن مختلف جہتوں سے پھیلائے گئے پروپیگنڈوں کی زد میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں، ہمیں ان کے ساتھ ہر مرحلۂ زندگی میں سماجی، معاشی، سیاسی اور مذہبی ہر پہلو سے اسلامی تعلیمات (جس کا کچھ خاکہ اوپر آیا ہے) کے مطابق معاملہ کرنے کی ضرورت ہے، حسن معاملہ اور حسن اخلاق کی خوشبو دور تک پھیلتی ہے، اس سے ایک طرف غیروں کے ذہن بھی صاف ہوں گے، دوسری طرف وہ اس نتیجے پر بھی بآسانی پہونچ سکیں گے کہ اسلام کا دامنِ رحمت ہی تمام الجھنوں اور بے اعتدالیوں سے حفاظت کے لئے ان کی پناہ گاہ ہے۔

## تعمیری اقدام

مسلمانوں کی ایک بڑی کمزوری جو مشکل حالات میں نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے اقدامیت سے دوری اور محض ردعمل پر قناعت ہے، حالات کے جواب میں عموماً صرف رد عمل (جوابی بیان بازی) پر اکتفا کیا جاتا ہے، جبکہ اگر ہم مثبت تعمیری اقدامات کی راہوں پر چلنے لگیں، صرف وقتی جواب و بیان پر قناعت نہ کریں، بلکہ مستقل بنیادوں پر اقدام کریں تو اس سے حالات کی سمت تبدیل کرنے میں بہت کامیابی مل سکتی ہے۔

## حسن اخلاق اور خوبیٔ کردار

امت مسلمہ کے لئے مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی ہر لحاظ سے انفرادی و اجتماعی، خارجی و داخلی ہر سطح پر اپنے اندر حسن اخلاق اور خوبیٔ کردار کا جوہر پیدا کرنا بے حد ضروری ہے، ہماری ذاتی زندگی کے لئے بھی اس کی اہمیت ناقابل انکار ہے، اپنے کھوئے ہوئے وقار کی بحالی کے لئے اور مخالفین کے مغالطوں اور پروپیگنڈوں کا زہر ختم کرنے کے لئے بھی یہ بے حد ناگریز ہے۔

آج امت کے ہر طبقے میں ہر سطح پر بے راہ روی کا عجیب طوفان آیا ہوا ہے، بطور خاص بے حیائی، بد دیانتی، بے صبری، حد سے بڑھی ہوئی جذباتیت، جنون انتقام، مادیت پرستی، ہوس ناکی، حرص اقتدار، حقوق کی ادائیگی میں مجرمانہ کوتاہی، ذاتی حقیر مفادات کے لئے اعلیٰ قومی وملی مصالح ومفادات کی قربانی وغیرہ وہ مہلک روگ ہیں جو امت کی اخلاقی قدروں کو دیمک کی طرح کھاتے اور گھن کی طرح برباد کرتے جارہے ہیں۔

ایک عرب شاعر نے بہت پتے کی بات کہی ہے کہ:

وَإِنَّمَا الْاُمَمُ الْاَخْلَاقُ مَا بَقِيَتْ

فَإِنْ هُمْ ذَهَبَتْ اَخْلَاقُهُمْ ذَهَبُوْا

امتیں اور اقوام اخلاق کی بدولت زندہ رہتی ہیں، اخلاق نہ رہیں تو امتیں بھی ختم ہوجاتی ہیں۔

امتوں کی حیات وبقاء کے لیے اخلاق کی اہمیت کلیدی نوع کی ہوتی ہے، اخلاق کی دولت سے محرومی زندگی کو بے روح وبے کیف بنادیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند قدوس نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے اپنے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا تو انہیں خود اخلاق کا اعلیٰ مرتبہ عطا کیا اور ان کی تعلیمات میں اصلاح اخلاق کو بنیادی درجہ عطا کیا، قرآن کریم میں حضور اکرم ﷺ کے اخلاق عالیہ کے سلسلہ میں فرمایا گیا:

إِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيْمٍ. (القلم: ٤)

بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ ترین درجہ پر ہیں۔

یوں تو دنیا کے تمام مذاہب کی اساس اخلاق ہی پر ہے، تمام انبیاء ومصلحین نے اخلاق کی تعلیم دی، لیکن اسلام میں اخلاق کو بیحد اہمیت دی گئی ہے، حضور اکرم ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد حسنِ اخلاق کی تکمیل بتایا ہے، خود قرآن کریم میں آپ کا ایک اہم مقصدِ بعثت

تزکیہ (اصلاح اخلاق وتعمیر سیرت ) قرار دیا گیا ہے، تمام مذاہب میں اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے اپنے پیروؤں کو اتنی اخلاقی تعلیمات دے دی ہیں جو ان کو راہِ راست سے بھٹکنے سے روک دیں، یہی وجہ ہے کہ ان اخلاقی تعلیمات نے اصلاح کا وہ کام کیا ہے جو قوانین بھی نہ کر سکے۔

اسلام اس شعبے میں طبع انسانی کے ان نازک وباریک مسائل پر توجہ دیتا ہے جو اپنی نزاکت ولطافت کے باوجود حیات انسانی پر دیرپا اثر ڈالتے ہیں، فی الواقع انسان کی ظاہری زندگی کے اعمال اس کے باطنی اخلاق ہی کا پَرتو ہیں، اسی لیے اسلام نے ان کی اصلاح کو ہدف بنایا تاکہ باطن کے سدھار کے بعد ظاہر بھی درست ہو سکے، چنانچہ قرآن نے اعلان کر دیا کہ:

**قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا، وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا.** (الشمس: ۹-۱۰)

جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور سنوارا وہ فلاح یاب ہو گیا اور جس نے اسے ( گناہوں میں ) دبا دیا وہ نا کام ہو گیا۔

اسلام نے جو عبادات فرض کی ہیں ان کا بھی ایک اہم مقصد اصلاح اخلاق ہے، نماز کے بارے میں قرآن میں آیا ہے کہ وہ برائیوں و بے حیائیوں سے روکتی ہے، روزہ کا مقصد تقویٰ وشکر کی کیفیت پیدا کرنا بتایا گیا ہے، زکوۃ کے ذریعہ انسانیت کی ہمدردی و مدد کا سبق دیا جاتا ہے، اس لحاظ سے ہر عبادت کا اساسی مقصد اخلاق کی پاکیزگی ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایمان کے بعد اخلاقِ حسنہ کو سب سے زیادہ مقدم قرار دیا ہے، قرآن میں انہیں اہل ایمان کو فلاح یاب قرار دیا گیا ہے جو اپنے ایمان کے بعد اخلاق کی اصلاح کر لیں، مثلاً نماز میں خشوع، لغویت سے اجتناب، آبرو کی حفاظت، بے حیائی سے دوری، وعدہ ومعاہدہ کی پاس داری، امانتوں کی ادائیگی وغیرہ کی پابندی کریں، قرآن میں جا بجا اہل ایمان

کے اوصاف میں اخلاق حسنہ کا ذکر آیا ہے، حضور اکرم ﷺ کی ایک دعا کتب حدیث میں آتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ:

خدایا! مجھے بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی کر، تیرے سوا کوئی بہترین اخلاق کی راہ نہیں دکھا سکتا۔

احادیث میں بارہا حسن اخلاق کی اہمیت کا ذکر کیا گیا ہے، کہیں اسے کمال ایمان بتایا گیا ہے کہیں اسے قیام لیل اور دن کے روزوں کے مساوی قرار دیا گیا ہے اور کہیں اسے قیامت کے دن میزانِ عمل کی سب سے وزنی اور بھاری چیز کہا گیا ہے، کہیں اسے خدا اور سول کی محبت وقرب کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ کے اخلاق اختیار کرو، اس طرح اخلاق حسنہ کی تلقین کی گئی ہے، دراصل اخلاق حسنہ صفاتِ خداوندی کا پَرتو اور مَظہر ہیں اور اخلاق حسنہ ایمان کی تکمیل اسی لئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی صفات کاملہ کے ادنیٰ مظاہر ہیں۔

حسنِ اخلاق کی تاثیر یہ ہوتی ہے کہ وہ دلوں کو فتح کرتا ہے اور طوفانوں کے رخ موڑ دیتا ہے، تاریخ اس محیر العقول تاثیر کے نمونوں سے پر ہے، فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کا مشرکین مکہ کے ساتھ حسن اخلاق اور عفو ودرگذر کا معاملہ اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ لوگ جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے اور کایا پلٹ گئی۔

اخلاق کی طاقت نے ہر دور میں بے شمار معرکے سر کئے ہیں، لاتعداد موقعوں پر سر بلند کیا ہے، دعوت اسلامی کا کارواں ہر دور میں اسی طاقت کے ذریعہ تیز رفتار رہا ہے، قوموں کے عروج وزوال کے پس منظر میں اخلاقی بلندی وپستی کا اہم رول ہوتا ہے، اخلاقی بے راہ روی اور گراوٹ زوال وادبار کی پیغامبر ہوتی ہے اور اخلاقی پاکیزگی، رفعت، ترقی وعروج کی ضامن۔

امتِ اسلامیہ تاریخ کے ہر دور میں اخلاقی قوت سے مالا مال رہی ہے، اس وقت بھی یہ قوت موجود ہے، مگر بہت ناتواں اور بے شمار رکاوٹوں کی زد میں ہے، ضرورت اس کی ہے کہ ان رکاوٹوں کا مقابلہ کیا جائے اور ہر قیمت پر اخلاقی قوت کو ضائع ہونے سے بچایا جائے اس لئے کہ اخلاقی قوت سے محروم قومیں تمام تر عسکری و دیگر قوتوں سے لیس ہونے کے باوجود بالآخر ناکام ہوتی ہیں، اسلام نے ہر شعبۂ زندگی میں اخلاقی خوبی کو اپنانے کا حکم دیا ہے اور اسی پر عمل کر کے اس دور کا مسلمان اپنی مشکلات سے نجات پا سکتا ہے اور تمام حالات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

## مخالفین سے اعراض اور مقصدیت

ہر طرح کے حالات میں عمومی طور پر اور موجودہ حالات میں بطور خاص امت کے سامنے اپنے تحفظ و ارتقاء کے لئے سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ امت کے افراد اپنے اعلیٰ تعمیری مشن کے لئے یکسو ہو جائیں، مقصدیت کو ہمہ وقت پیش نظر رکھیں، مخالفتوں اور رکاوٹوں کے حالات سے الجھاؤ پیدا کرنے کے بجائے ''اپنی دنیا آپ پیدا کر'' کے اصول کو سامنے رکھیں۔

بامقصد افراد اپنے راستے کی تلخیوں اور ناخوشگواریوں سے کبھی نہیں الجھتے، کیونکہ ان کا یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ الجھاؤ انہیں ان کی منزل سے دور کر دے گا، ان کے سامنے ہمیشہ منزل ہوتی ہے، وہ ہر لمحہ آگے کی طرف توجہ رکھتے ہیں، وقتی اور ہنگامی حالات پر نہیں بلکہ مستقبل کے دیرپا اور دوررس نتیجے پر ان کی نگاہ رہتی ہے، گویا۔

میں کہاں رکتا ہوں عرش و فرش کی آواز سے
مجھ کو جانا ہے بہت اونچا حد پرواز سے

قرآن مقدس میں جہاں مثالی اور اعلیٰ اوصاف و اقدار و اخلاق کا ذکر آیا ہے، یہ پہلو بطور خاص اجاگر کیا گیا ہے اور جہالت پر آمادہ مخالفین سے اعراض اور نہ الجھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ (الاعراف:۱۹۹)

کامیاب اہل ایمان کا وصف امتیاز، اللہ کے مقرب بندوں کا کرداراوراہل ایمان کا خاص عمل یہی بتایا گیا ہے کہ وہ مخالفین سے الجھ کر اپنی راہیں کھوٹی نہیں کرتے، خوش اسلوبی، حکمت اور اعراض کی پالیسی اپنا کر اپنی راہ چل پڑتے ہیں، بالآخر اپنی منزل پا لیتے ہیں۔(المؤمنون:۳۰،الفرقان:۶۳،القصص:۵۵)

## (۶)جذبۂ قربانی

امت کے مسائل کا حل اورعروج واقبال کا رازافرادِامت کا جذبۂ قربانی ہوتا ہے، بدر سے لے کرآخرتک تمام اہم مواقع پراورملت کی تاریخ میں تمام ہنگامی اورخطرناک حالات میں اہل عزیمت کی قربانیوں سے ہی امت حالات کے گرداب سے نکلی اورغلبہ وکامیابی سے سرفراز ہوئی،اس وقت کے حالات میں بھی امت کی اوربطورخاص نوجوانوں کی اس پہلو سے تربیت کی جانی ضروری ہے،طوفانوں کا رخ مایوس ہوجانے،تھک کر بیٹھ جانے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے نہیں ہمت مردانہ،خطرپسندی،عزم وعمل اورقربانیوں سے پھیرا جاسکتا ہے۔

## (۷)رجوع الی اللہ

ناموافق اورتکلیف دہ حالات میں قرآن وسنت کی ہدایات کے مطابق اہل ایمان کو خوداحتسابی کرنی چاہئے،قرآنی صراحتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ درپیش مصائب واحوال انسانی اعمالِ بد کا خمیازہ اوروبال ہوتے ہیں،موجودہ حالات میں ملت کے افراد کواپنا بے لاگ اوردیانت دارانہ تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے،یہ تجزیہ ایمانیات سے اخلاقیات تک تمام شعبوں کومحیط بھی ہونا چاہئے اورانجام کاررجوع الی اللہ،اپنی اصلاح کے جذبے اورمخلصانہ دعاؤں کا مضبوط باعث ومحرک بھی ہونا چاہئے۔

ناموافق اوراذیت رساں حالات میں دوسروں کو ذمہ دارٹھہرانے اوراپنے کو بالکل بری اورالگ سمجھنے کا طریقہ ایمانی طریقہ نہیں ہے،قرآنی وضاحت کے مطابق بیشتر یہ حالات

ہماری اپنی شامتِ اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں، (الشوری:۳۰) ایسے حالات میں حکم ہے:

**فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ**. (الذاریات:۵۰)

اللہ کی طرف دوڑو اور لپکو۔

صاحب ایمان کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر طرح کے مخالف حالات میں:

(۱) اپنے کردار وعمل کی اصلاح کی جدوجہد بڑھادے، اپنے تقدس وتقوی کے پندار میں مبتلا نہ ہو، حالات کو اپنے اعمال کا انجام سمجھ کر توبہ، استغفار اور اصلاح میں لگ جائے۔

(۲) اللہ کی ذات وصفات پر گہرا یقین پیدا کرے، توکل علی اللہ کی دولت سے اپنے کو آراستہ کرے، اور اس کا استحضار رکھے کہ تمام حالات اللہ کی طرف سے ہیں، اور اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی بال بھی بیکا نہیں کرسکتا، قرآن میں آپ ﷺ کو حکم ہے:

**قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ**. (التوبة:۵۱)

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے ہمارے مقدر میں جو لکھ دیا ہے ہمیں اس کے سوا کوئی اور چیز ہرگز نہیں پہونچ سکتی، وہ ہمارا رکھوالا ہے، اور اللہ ہی پر مؤمنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔

ارشاد نبوی ہے:

**وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ، وَلَوِاجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْئٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ**. (کنز العمال)

یقین رکھو: پوری دنیا تمہیں مل کر کچھ نفع پہونچانا چاہے، کچھ نفع نہیں

پہونچا سکتی، تمہیں وہی ملے گا جو اللہ نے مقدر کر دیا ہے، اور پوری دنیا مل کر تمہیں کچھ نقصان پہونچانا چاہے، کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتی، نافذ صرف اللہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔

(۳) مشکل حالات کے خاتمے کے لئے تمام ممکنہ تدابیر اختیار کرنے کے ساتھ ہی اپنے رب کی طرف پوری طرح رجوع ہو جائے اور دعا و انابت کو اپنا اصل ہتھیار سمجھے۔

سیرت نبوی میں بدر کا غزوہ کلیدی اہمیت کا حامل ہے، ۱۶ر رمضان ۲ھ کا آفتاب غروب ہونے کے بعد میدان بدر میں اہل ایمان آرام فرما ہیں، قافلہ سو رہا ہے؛ لیکن سالارِ قافلہ ﷺ رو رہا ہے، کاروانِ جہاد محو آرام ہے، مگر میر کارواں ﷺ اپنے رب سے محو مناجات ہے، پوری شب آقا ﷺ نے اپنے رب کے حضور جبین نیاز خم رکھی ہے، آنسوؤں کی سوغات پیش کی ہے، نصرتِ الٰہی کے لئے دست سوال دراز رکھا ہے، نماز فجر ہو چکی ہے، اُدھر آسمان بارش برسا رہا ہے، اِدھر کائنات کا سب سے عظیم انسان اپنی آنکھوں کے اشک برسا رہا ہے، آقا ﷺ کے تضرع و ابتہال، عاجزی و فروتنی کے اظہار، آہ و فریاد، گریہ وزاری دیکھ کر دیکھنے والوں کو ترس آ رہا ہے اور مالک کائنات رب کو اپنے حبیب ﷺ کی اس ادا پر پیار آ رہا ہے۔

محبوبِ رب العالمین پیغمبر علیہ السلام نے اپنی پندرہ سالہ محنت اور ریاضت کا کل سرمایہ میدانِ عمل میں لگا دیا ہے اور شکست و فتح کے مالک کی بارگاہ میں عرض گذار ہیں:

**اَللّٰهُمَّ إِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ مِنْ اَهْلِ الإِسْلَامِ لَا تُعْبَدُ فِي الأَرْضِ.**

الٰہ العالمین! میں اپنی آخری پونجی لے کر آ گیا ہوں، اگر یہ بھی نہیں رہی تو اس زمین پر آپ کی عبادت نہیں ہو سکے گی۔

**اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ قُرَيْشٌ قَدْ أَقْبَلَتْ بِخُيَلَائِهَا وَفَخْرِهَا**

تُحَادُّکَ وَتُکَذِّبُ رَسُوْلَکَ، اَللّٰھُمَّ فَنَصْرَکَ الَّذِيْ وَعَدْتَنِي.

الٰہی یہ قریش اپنے فخر وغرور سے آئے ہیں، یہ آپ کی مخالفت اور آپ کے رسول کی تکذیب کررہے ہیں، بارالٰہا! میں آپ سے وہی مدد مانگ رہا ہوں جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔(السیرۃ النبویۃ و اخبار الخلفاء: لابن حبان: ۱/ ۱٦٨، دلائل النبوۃ: للبیھقی :۳/۳٥)

دعا کے دوران ایک بار بے قراری کے عالم میں جسم اقدس سے چادر نیچے کو گر جاتی ہے، صدیق اکبر سے رہا نہیں جاتا ہے، آپ ﷺ کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہیں، چادر اوڑھاتے ہیں،عرض کرتے ہیں کہ:

''حَسْبُکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ''

حضور! بس کافی ہے، اللہ آپ ﷺ کو مایوس ونامراد نہیں کرے گا،اور آپ ﷺ کی دعا کورد نہیں کرے گا۔(بخاری: المغازی: باب قول اللہ: إذ تستغیثون الخ، مسلم: الجھاد: باب الإمداد بالملائکۃ الخ)

اللہ کی رحمت جوش میں آ گئی ہے،فرشتہ حاضر ہوا ہے،اے محمد! اللہ نے آپ کوسلام بھیجا ہے،آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''ھُوَ السَّلَامُ وَمِنْہُ السَّلَامُ وَإِلَیْہِ السَّلَامُ''

بلاشبہ میرا رب خود سلامتی ہے،اسی سے سلامتی ہے،اسی کی طرف سلامتی ہے۔(البدایہ والنھایہ ۳٦٧/۳)

پھر حضور ﷺ اس حال میں اٹھے ہیں کہ زبانِ مبارک پر یہ الفاظِ قرآنی ہیں:

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. (القمر: ٤٥)

عنقریب اسی لشکر کو شکست ہوگی اور یہ دشمن پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ (بخاری:
المغازی: باب قول الله: إذ تستغيثون الخ)

غور فرمایئے! ایک طرف یہ جنگی مستحکم، منظّم، مکمل اور حکیمانہ ترقی یافتہ تدبیر وانتظام، مکمل تیاری، تمام ضروری تدابیر واسباب ووسائل کا اہتمام، اور دوسری طرف آخری درجہ کے الحاح وتضرع کے ساتھ رجوع وانابت الی اللہ اور اللہ سے مدد طلبی اور اس پر توکل، پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام تدبیریں اور اسبابی انتظامات فرمائے، اونٹ، گھوڑے، تلوار، سب اسباب لئے، اسباب کم ضرور تھے، مگر آپ ﷺ نے سب اسباب اپنائے، پھر آپ ﷺ نے اپنے رب کی طرف رجوع بھی فرمایا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے ان دونوں کو جمع کر کے یہ پیغام دیا ہے کہ ظاہری اسباب اور تیاری چھوڑ کر محض تقدیر پر تکیہ کر لینا بے عملی اور کم عقلی ہے، اور صرف اسباب وتدابیر کو اپنا کر اللہ کے دربار میں رجوع سے غافل رہنا محرومی اور نخوت ہے؛ بلکہ سنت رسول بتا رہی ہے کہ اللہ پر توکل کی روح یہی ہے کہ تمام ممکن اسباب وتدابیر اپنا کر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے، اور اللہ کی طرف رجوع ہوا جائے، اور اسی سے مدد طلب کی جائے، اور دعا مانگی جائے، اس لئے کہ بابِ نصرت اسی دعا کے ہتھیار سے کھلتا ہے۔

تاریخ میں مذکور ہے کہ سلطان الپ ارسلان جب شاہ روم کے دو لاکھ کے حملہ آور لشکر کے مقابلے کے لئے آگے بڑھا، تو پہلے اس نے مسلمانوں کو نماز جمعہ ادا کرائی، پھر بارگاہ ایزدی میں اس عاجزی اور الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرائی کہ روتے روتے ہچکی بندھ گئی، چنانچہ پندرہ ہزار کی فوج دو لاکھ لشکر کے مقابلے میں فتح یاب ہوئی اور شاہ روم گرفتار ہوا۔ (حالات بدل سکتے ہیں: محسن عثمانی: ۱۸۸)

قرآن میں اہل ایمان کو حکم ہوا ہے:

**قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيْعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيْمُ، وَأَنِيْبُوا إِلَى رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ.** (الزمر: ٥٣-٥٤)

آپ فرما دیجئے: اے میرے وہ بندو: جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، یقین جانو اللہ سارے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے، اور تم اپنے پروردگار سے لو لگاؤ، اور اس کے فرماں بردار بن جاؤ، قبل اس کے کہ تمہارے پاس عذاب آپہونچے، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔

❑❑❑

# معاصر حالات اور اہل علم وفکر کا

# فرض منصبی

یہ مضمون عالم اسلام بطور خاص عالم عرب کے حالات کے پس منظر میں دو ماہی ''فکر اسلامی'' (بستی) کے اداریے کے طور پر لکھا گیا تھا، اس کتاب کے موضوع کی مناسبت سے اسے یہاں شامل کیا جارہا ہے۔

ارشادات نبوی میں امت محمدیہ کو خطاب کر کے یہ پیش گوئی اور ہدایت فرمائی گئی ہے کہ:

اسلام کی چکی ہر حال میں گردش میں رہے گی، اسلئے تم کتاب اللہ کی اتباع کرتے رہو، اسے اپنی خواہشات کے تابع مت کرو، سنو: عنقریب قرآن اور حکمراں الگ الگ ہوجائیں گے، تم ہرگز قرآن نہ چھوڑنا، عنقریب تم پر ایسے حکمراں مسلط ہوں گے جو اپنے لئے وہ طے کریں گے جو دوسروں کے لئے نہیں کریں گے، تم ان کی نافرمانی کروگے تو تمہیں قتل کردیں گے، تم ان کی اطاعت کروگے تو تمہیں گمراہ کردیں گے۔

یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ایسے حالات میں ہمیں کیا کردار اپنانا چاہئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم وہی طرز عمل اختیار کرو جو حضرت عیسیٰ کے اصحاب نے اختیار کیا، انھیں آروں سے چیرا گیا، سولی پر لٹکایا گیا، مگر وہ دین پر قائم رہے، یاد رکھو:

اللہ کی اطاعت میں جان دے دینا معصیت کی زندگی سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔(المعجم الصغیر للطبرانی:۲/ ٤۲ عن معاذ بن جبل)

اس چشم کشا اور بصیرت افروز ارشاد نبوی کے آئینے میں آج اگر عالم اسلام اور بطور خاص عالم عرب کی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو اس پیش گوئی کی حقانیت اور اس کے وقوع پر یقین بڑھتا چلا جاتا ہے، ایک طویل عرصے سے عالمِ عربی مفاد پرست اور تعیش پسند اربابِ اقتدار کے ہاتھوں میں ہے، اور دکھاوے کے چند مذہبی مظاہر کی تشہیر کے سوا ان کی حکومتوں کا پورا نظام، ان کی خارجہ پالیسی، داخلی سسٹم، معاشرتی طور طریق اور معاملات کے تمام شعبے اس باطل نظام کے مکمل تابع ہیں جس کا شریعت حقہ، عدل واعتدال، خیر خواہی اور نافعیت سے دور دور تک کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اس پر مستزاد ان کی بدکرداری، عیش کوشی، مفاد پرستی، بے حسی، بے شعوری اور جبن و بزدلی کے اوصاف ہیں جو ان کے ہر ہر رگ و پے میں مکمل طور پر پیوست ہو چکے ہیں۔

ایک طرف صورت حال یہ ہے کہ:

(۱) اپنے حقیر مفادات کے لئے اپنے مغربی آقاؤں کو خوش رکھنے کی خاطر عالم عرب باہم دست وگریباں ہے، قطر اور دیگر عرب ممالک کے حالات سب کے سامنے ہیں۔

(۲) شام ایک طویل مدت سے لہولہو ہے، لاکھوں مسلمان جام شہادت نوش کر چکے ہیں، ہر آنے والا دن تباہی کی خوں چکاں داستان لیکر آتا ہے، فاقہ کشی کی نوبت آچکی ہے، وہاں کی بدعقیدہ حکومت اپنے مغربی آقاؤں کی سرپرستی میں حیوانیت کے یہ نمونے پیش کر رہی ہے۔

(۳) فلسطین میں اسرائیل کے ظلم و بربریت نے قیامت ڈھا رکھی ہے اور اس کے ستم سے خواتین و معصوم بچے تک محفوظ نہیں ہیں۔

ایک طرف یہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف عالم عرب کے قائدین کا عالم یہ ہے کہ ان کی طرف سے بجائے مظلوموں کی حمایت اور ظالموں سے مقابلے کے، ظالموں کی حمایت اوران کی حوصلہ افزائی کے اقدامات سامنے آ رہے ہیں، مصر کے حالات دنیا کے سامنے ہیں، اخوانیوں کی دستوری حکومت کے خاتمے اور پھر ان کو ناجائز طور مجرم قرار دیئے جانے کے ہر ظالمانہ عمل میں عالم عربی کی قیادت پورے طور حصہ دار بنی اوراس نے اپنے ہاتھ مظلوموں کے خون سے رنگین کیئے۔

مصدقہ رپورٹوں سے یقینی طور پر یہ بھی ظاہر ہو چکا کہ شام کے ہنگاموں میں بدعقیدہ و ظالم حکومت کو مالی وغیر مالی امداد فراہم کرنے اوراس طرح مظلوم اہل السنۃ اور اہل حق کو بیخ وبن سے اکھاڑنے کے اقدامات میں عالم عربی کی قیادت نے نمایاں کردار ادا کیا۔

فلسطین کے مسئلے میں بھی عرب قیادت زبانی جمع خرچ کے مرحلے سے آگے نہیں بڑھتی، مظلوم فلسطینیوں کی حمایت اور ظالم اسرائیل کے مقابلے کی سمت میں کوئی ایک بھی ٹھوس، عملی اور مؤثر اقدام اب تک سامنے نہیں آیا ہے۔

اس طرح عرب قیادت صریح طور پر مسلمانوں کے ملی واجتماعی معاملات میں بے حسی اور خاموشی، بلکہ اسلام دشمن طاقتوں کی منشاء اور کاز کو مدد پہونچانے اوراسلام کو نقصان پہونچانے کی مجرم ثابت ہو رہی ہے، اقبال کی زبان میں حرم کے یہ نگہ بان اپنے فرض نگہبانی کی ادائیگی کے بجائے بت خانے کی پاسبانی کر رہے ہیں، ان کا یقین مردہ و مضمحل اوران کی نگاہ مستعار ورہینِ منتِ اغیار ہے ؎

نگہ بانِ حرم معمارِ دیر است
یقینش مردۂ و چشمش بغیر است

اس سب کے ساتھ تعیش وتنعم کی وہ لعنت ہے جس نے عرب قائدین کو پورے طور پر اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، زنا اور فحاشی، رقص وسرود، لہو ولعب اوران جیسے نہ جانے کتنے

منکرات ہیں جن کی خبریں ہر صاحب ایمان کو افسردہ و بے چین کردینے کے لئے کافی ہیں۔

مزید باعث افسوس چیز درباری اور مفاد پرست علماء وارباب افتاء کا ٹولہ ہے جو اپنی حکمراں جماعت وقیادت کی کاسہ لیسی میں بے حمیتی کے اس مرحلے میں آ چکا ہے کہ اس کے لئے حق و باطل میں تلبیس، حکومتوں کی ہر روا و ناروا میں تائید، غلط اقدامات کے لئے شرعی دلائل کی فراہمی بالکل آسان بات ہوگئی ہے، خواہ اس کے لئے کتنی ہی رکیک تاویل بلکہ تحریف تک کیوں نہ کرنی پڑ جائے۔

ایسے ہوش ربا حالات میں کچھ مخلص اہل علم وفکر اپنی ذمہ داری اور فرض دیانت کے ساتھ نبھا رہے ہیں، لیکن ان کے سامنے وہی نقشہ ہے جو مذکورہ حدیث میں آیا ہے کہ ان پر حکومت کرنے والا طبقہ اور ان کی اصل رہنما کتاب قرآن دونوں میں بہت بعد ہو چکا ہے، ارباب اقتدار قرآن کو بالکل چھوڑ چکے ہیں، اہل حق ان کے اس موقف پر علانیہ نقد کریں تو بغاوت کے جرم میں ہر سزا کے مستحق ٹھریں اور اپنے تحفظ کے لئے کچھ مصلحت کوش بنیں تو دین خطرہ میں پڑ جائے اور خود گمراہی کی وادی میں جا پڑیں۔

یہ حالات بڑی کش مکش اور امتحان کے ہیں، ہر خوددار صاحب علم گویا ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہے جس کا ایک راستہ بے دینی کی منزل پر اور دوسرا بے انتہا مشقت، مجاہدوں، قربانیوں اور خطرات کی طرف لے جاتا ہے، ایسے حالات میں ہماری رہنمائی کے لئے مذکورہ ارشاد نبوی سے بڑھ کر اور کوئی چیز کیا ہوسکتی ہے جس میں صاف پیغام دیا جارہا ہے کہ:

اے دین حق اور علوم کتاب وسنت کے حاملین: آپ کے ذمے احقاقِ حق، ابطال باطل، اور انکار منکر کا عظیم الشان فرض سونپا گیا ہے، اگر آپ نے اس فرض کی ادائیگی میں مداہنت سے کام لیا، اگر آپ نے اپنے ذاتی مفاد اور وقتی مصالح پیش نظر رکھے، اگر آپ نے سب کو خوش رکھنے، اور صلح کل بننے کی پالیسی اختیار کئے رکھی، اگر آپ نے حق کے اظہار میں

سکوت وغفلت برتی، اگر آپ کی مصلحت پسندی کی وجہ سے امت کے عوام کے طبقے میں حق مشتبہ ہو گیا تو یاد رکھیئے:

اللہ کی بارگاہ میں یہ سنگین جرم ہے، یہ متعدی ضرر رکھنے والا عمل ہے، یہ باطل کا تعاون ہے، یہ خیر کے مشن کو کمزور کرنا اور شر کے مشن کو مضبوط کرنا ہے، اور حدیث نبوی کے بموجب ایسا کرنیوالے " شَرُّ مَنْ تَحتَ اَدِيمِ السَّمَاءِ" آسمان کے نیچے بسنے والے سب سے بدتر لوگ ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے اصحاب عیسیٰ کا کردار بیان کیا ہے کہ حق کی خاطر انہیں آروں سے چیرا گیا اور دار و رسن کی آزمائشوں سے بھی گزارا گیا مگر ان کے پائے ثبات میں لرزش نہیں ہوئی۔

یہی کردار امت محمدیہ کے علماء وصلحاء کو ادا کرنا ہے، ہماری ماضی کی تاریخ، دور صحابہ سے آج تک، ایسے روشن کرداروں سے لبریز ہے۔

آج بھی دنیا کے اور بطور خاص عالم عرب کے حالات ہر صاحب فکر ونظر مسلمان کے لئے واضح امتحان اور جانچ کے حالات ہیں کہ:

کون ہے وہ بدنصیب جو درہم ودینار کا بندہ بن کر اپنے مقام اور خودی کو گم کر دیتا ہے اور باطل کا معاون بن جاتا ہے؟ کون ہے وہ جو اظہار حق کے طالب حالات میں اپنے لبوں پر مفاد پرستانہ مہر سکوت لگا کر حق کو مشتبہ اور کمزور کر دیتا ہے؟ اور کون ہے وہ سعید وقابل رشک جو ارشاد نبوی "اللہ کی اطاعت میں جان دے دینا معصیت کی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے" کو پیش نظر رکھ کر بغیر کسی لاگ ولپیٹ کے اپنا فرض سمجھ کر پوری دیانت، اخلاص اور جذبۂ نصح کے ساتھ منکر پر نکیر کرتا ہے، اور اس نکیر کی زد خود اس پر پڑے یا ارباب اقتدار پر، اس کی پرواہ نہیں کرتا ہے، اللہ کے دربار میں قدر ایسے سعید افراد ہی کی ہے، کاش: امت میں ایسے افراد کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جائے۔

❑❑❑

# وحدتِ امت کی اہمیت اور اس راہ کی بنیادی رکاوٹیں

مسلمانوں کے لئے اس وقت ان کے ایجنڈے کی سب سے اولین دفعہ وحدت و اجتماعیت ہے، یہ مضمون ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کے ایک ''ورکشاپ'' کے لئے تحریر کیا گیا تھا، اہم نکات پر مشتمل ہے، افادۂ عام کے لئے شامل کیا جارہا ہے۔

وحدت امت کی اہمیت اور ضرورت مسلمہ حقائق میں سے ہے، قرآن کریم نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے:

**وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً.** (المؤمنون/٥٢)

حقیقت یہ ہے کہ تم سب ایک امت ہو۔

قرآن وسنت کے نصوص وحدت و اجتماعیت کی تاکید، تلقین، ترغیب اور اہمیت اور افتراق وانتشار کی شناعت وقباحت کے مضامین سے لبریز ہیں۔

اس وقت عالمی سطح پر پوری امت مسلمہ افتراق اور تحزب کی ناقابل بیان کیفیت سے دوچار ہے، بلکہ عربی شاعر کے بقول ؎

**تَجَوَّلْتُ فِيْ طُوْلِ الْبِلَادِ وَ عَرْضِهَا**
**وَ طُفْتُ بِلَادَ اللّٰهِ غَرْبًا وَ مَشْرِقَا**
**فَلَمْ أَرَ كَالإِسْلَامِ أَدْعٰى لِوَحْدَةٍ**
**وَ لَا مِثْلَ أَهْلِيْهِ أَشَدَّ تَفَرُّقَا**

میں دنیا کے طول وعرض کی سیاحت کرتا رہا اور مشرق ومغرب کے دورے کرتا رہا، میں نے اسلام سے بڑھ کر وحدت کا حامل وداعی کوئی اور مذہب نہیں دیکھا اور مسلمانوں سے زیادہ اختلاف وانتشار میں مبتلا کسی کو نہیں پایا۔

موجودہ حالات میں وحدت امت کی راہ میں اصل رکاوٹیں کیا ہیں؟ ان کا علمی تجزیہ کیا جائے تو کچھ بنیادی امور سامنے آتے ہیں جن کو مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

## (۱) قرآن وسنت سے اعراض

سب سے اہم اور بنیادی چیز کتاب اور سنت کی حقیقی تعلیمات سے اعراض ہے، قرآن کریم میں جابجا اس حقیقت کی طرف اشارہ ملتا ہے، سورہ انفال میں فرمایا گیا:

**يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ، وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ** . (الانفال /٤٥-٤٦)

اے ایمان والو! جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو، تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم ناکام ہو جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

غور فرمایا جائے، اس آیت میں آپسی تنازع اور افتراق سے نہ صرف یہ کہ روکا جارہا ہے بلکہ اس کے مضرات کا بھی ذکر ہو رہا ہے، اور اس سے پہلے ''اللہ ورسول کی اطاعت'' کا صریح حکم بھی دیا گیا ہے، اس لئے کہ باہمی نزاع اور افتراق سے حفاظت کی ضمانت اللہ ورسول کی اطاعت ہی میں ہے۔

دوسرے مقام پر وارد ہوا ہے:

**فَإِنْ آمَنُواْ بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَواْ وَّإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ.** (البقرة/۱۳۷)

اگر یہ لوگ اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو یہ ہدایت یاب ہیں، اور اگر روگردانی کریں تو درحقیقت وہ ہٹ دھرمی اور شقاق میں مبتلا ہیں۔

اس آیت سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ ایمان کامل وحدت و اجتماعیت کے جذبات مضبوط کر دیتا ہے، اور جب خواہشات نفس غالب ہوتی ہیں تو شقاق و افتراق اور عناد و انکار کے جراثیم مضبوط ہوتے چلے جاتے ہیں، گویا ایمان کامل اور اتباع کتاب و سنت ہی وہ بنیاد ہے جو انسان کو عناد و افتراق کی لعنت سے دور رکھ سکتی ہے، نصاری کے بارے میں ارشاد قرآنی ہے:

**وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُواْ إِنَّا نَصَارَى أَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُواْ حَظّاً مِّمَّا ذُكِّرُواْ بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاء إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.** (المائدة/۱۴)

جن لوگوں نے کہا تھا کہ ہم نصاری ہیں، ان سے بھی ہم نے عہد لیا تھا، پھر جس چیز کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، اس کا ایک بڑا حصہ وہ بھی بھلا بیٹھے، چنانچہ ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے دشمنی اور بغض پیدا کر دیا۔

اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ نصاریٰ جب وحی الٰہی اور حکم خداوندی کو بھلا بیٹھے تو اس کی سزا کے طور پر انکی صفوں میں انتشار اور افتراق پیدا ہو گیا، اس تذکرے سے اصل مقصد امت مسلمہ کو یہ آگاہی دینا ہے کہ اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت سے اعراض و

اغماض کی نحوست باہمی افتراق اور انتشار کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

امت محمدیہ کو واضح الفاظ میں یہ حکم دیا گیا ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُوا. (آل عمران/۱۰۳)

اللہ کی رسی (قرآن) کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں پھوٹ مت ڈالو۔

اس میں یہ صاف اشارہ موجود ہے کہ آپسی پھوٹ اور افتراق سے حفاظت کا راستہ قرآن سے مستحکم فکری و عملی تعلق ہے، اور کتاب اللہ سے اعراض ہی وحدت امت کی راہ کی سب سے بنیادی رکاوٹ ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

لوگ جب کتاب وسنت کے احکام وتعلیمات کو جہالت کی بنا پر یا عناد اور غلبۂ ہوا و ہوس کی بنیاد پر پس پشت ڈال دیتے ہیں، تو ان کے درمیان عداوت اور بغض کے حالات پیدا ہوجاتے ہیں، ان کو مجتمع رکھنے والی چیز وحی الٰہی ہے، جب وحی الٰہی سے تعلق نہیں رہا تو پھر ہر ایک ٹکڑیوں میں بٹ جاتا ہے۔ (مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام: ۳/۴۱۹)

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وحی الٰہی کو پس پشت ڈالنے کا سبب یا تو جہل ہوتا ہے یا خواہش نفس کی اتباع، امام شاطبی نے نقل کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے دل میں ایک دن یہ خیال آیا کہ جب پوری امت کے نبی ایک ہیں، اور وہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، تو پھر امت میں اختلاف کیسے ہوگا؟ انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کو بلایا اور فرمایا: اس امت کا نبی ایک ہے، کتاب ایک ہے، قبلہ ایک ہے، پھر ان میں اختلاف کیسے ہوگا؟ اس کے جواب میں حضرت ابن عباسؓ نے کہا: اے امیر المومنین! ہم پر قرآن اتارا گیا، ہم نے اسے پڑھا، سیکھا، اس کا پس منظر اور اصل مفہوم سمجھا، ہمارے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن تو

پڑھیں گے مگر نہ انہیں آیات قرآنی کا اصل پس منظر اور حقیقی مورد معلوم ہوگا اور نہ مفہوم معلوم ہوگا، پھر وہ اپنی اپنی عقل اور رائے سے کام چلائیں گے، آراء مختلف ہوں گی، پھر یہ اختلاف باہمی قتال تک جا پہونچے گا۔

امام شاطبی نے اس واقعہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا تجزیہ بالکل درست ہے، انسان کو اگر آیت قرآنی کا واقعی پس منظر اور مفہوم معلوم ہو، تو وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا اور ٹھوکر نہیں کھائے گا، اور انسان لاعلم ہو تو پھر اپنی عقل سے کام لے گا، اندازوں سے کام چلائے گا، قیاس وتخمین میں مبتلا ہوگا، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ (الاعتصام:۲/۱۸۳)

جہالت کی طرح اتباع ہوی (خواہش نفس کی غلامی) بھی گمراہی کا بنیادی سبب ہے، حضرت داؤد کو حکم دیا گیا تھا جس کا ذکر قرآن میں ہے:

**يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِيْ الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيْلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيْلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ.** (ص/٢٦)

اے داؤد! ہم نے زمین میں تم کو خلیفہ بنایا ہے، لہذا تم لوگوں کے درمیان برحق فیصلے کرو، اور نفسانی خواہش کے پیچھے مت چلو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی، یقین رکھو کہ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے، کیونکہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا تھا۔

علامہ یوسف قرضاوی تحریر فرماتے ہیں:

خواہش نفس کی پیروی اجتماعیت کا شیرازہ بکھیر دیتی اور وحدت کو

پارہ پارہ کردیتی ہے،اس لئے کہ حق ایک ہے،اورخواہشات نفسانیہ بے شمار،
دورقدیم میں بھی اور موجودہ حالات میں بھی امت مسلمہ میں تفریق پیدا
کرنے والی اصل چیز اتباع ہویٰ ہی ملتی ہے،اسی لئے اہل السنۃ صراط مستقیم
سے برگشتہ افرادکو ''أ ھل الأھواء'' (خواہشات نفسانیہ کے پیروکار) کا
نام دیتے ہیں۔(الصحوۃ الاسلامیۃ/ ۲۸۸)

اسی لئے ایک حدیث نبوی میں امت کے مختلف فرقوں میں منقسم ہوجانے کی پیش گوئی اوراس کی شناعت ومضرات کے ذکر کے بعد یہ بھی وارد ہوا ہے کہ:

إِنَّــهُ سَيَـخْـرُجُ فِـيْ أُمَّتِـيْ اَقْـوَامٌ تَتَجَارَىٰ بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْـوَاءُ كَـمَـا يَتَجَارَىٰ الْكَلَبُ بِصَاحِبِهِ لَا يَبْقَىٰ مِنْهُ عِرْقٌ وَ لَامَفْصِلٌ إِلَّا دَخَلَهُ. (مشكوة المصابيح: باب الاعتصام بالكتاب و السنة)

عنقریب میری امت میں ایسی قومیں ظاہر ہوں گی جن میں بدعات
اورنفسانی خواہشات اسی طرح سرایت کرجائیں گی جیسے ہڑک سگ گزیدہ
انسان میں سرایت کرجاتی ہے،اس کی کوئی رگ اورکوئی جوڑ اس کے اثر سے
محفوظ نہیں رہتا۔

معاصر حالات میں فکری اور عملی اعتبار سے امت میں جو جماعتیں اورفرقے ایک دوسرے کے خلاف محاذ قائم کئے ہوئے ہیں، بالعموم ان میں اتباع ھویٰ کے یہ جراثیم دیکھے جاسکتے ہیں،امام شاطبی نے کیسی فکرانگیز بات فرمائی ہے،لکھتے ہیں:

جومسئلہ اسلام میں پیدا ہوا،اورلوگوں کا اس میں باہم اختلاف ہوا،
مگروہ اختلاف عداوت وبغض وعناد کا سبب نہیں بنا،ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اسلام
کے مسائل میں سے ہے، اور جومسئلہ باہمی عداوت ، فرقت اور قطع تعلق

کا سبب بن جائے، ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا دین و اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسلام تو الفت، باہمی محبت، ہمدردی اور اجتماعیت کا داعی ہے، جو رائے اور مسئلہ اس کے برخلاف انتشار و نزاع کا باعث بن جائے وہ دین سے خارج ہے۔ (الاعتصام/۴۲۹)

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ کتاب وسنت سے اعراض، جہالت اور خواہشات کی اتباع وہ امور ہیں جو وحدت باہمی کا مزاج تشکیل پانے میں بنیادی رکاوٹیں ہیں۔

## (۲) غلو اور تعصب

وحدت امت کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ افراد اور جماعتوں کا فکری و عملی غلو اور عدم اعتدال وتوازن ہے، مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے بجا فرمایا ہے:

میرے نزدیک مسلمانوں میں باہمی آویزش اور شقاق و جدال کا ایک بہت بڑا سبب فروعی و اجتہادی مسائل میں تحزب وتعصب اور اپنی اختیار کردہ راہ عمل کے خلاف کو عملاً باطل اور گناہ قرار دینا اور اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا ہے جو اہل باطل اور گمراہوں کے ساتھ کرنا چاہئے تھا۔ (وحدت امت/۲۲)

فقہیات میں اختلاف دور اول سے ہے، لیکن چونکہ سلف صالحین کے طبائع غلو سے پاک تھے اور تعصب سے نفور تھے، اس لئے ان کے یہاں اختلاف کبھی نزاع و جدال کا باعث نہیں بنتا تھا، ان کے یہاں اختلاف رائے باہمی احترام کے ماحول میں ہوتا تھا، موجودہ حالات میں بطور خاص علماء کے طبقے میں اختلاف رائے کو برداشت کرنے کی گویا صلاحیت ہی باقی نہیں ہے، فروعی مسائل میں بھی ایسا رویہ و انداز اختیار کیا جاتا ہے جیسے وہ اصول وعقائد کا معاملہ ہو، احترام و مروت کے جذبات گویا ختم ہوگئے ہیں، اس صورت حال

نے علماء کی بے وقاری بھی بڑھائی ہے اور امت میں انتشار وافتراق بھی بڑھایا ہے۔

علماء کے طبقے میں غلو اور بے اعتدالی پیدا ہونے کا بنیادی سبب احکام شریعت کے مدارج کو سمجھنے اور برتنے سے تغافل ہے، غور کیا جائے کہ اساسیات شریعت اور عملی احکام کے مدارج میں فرق ہے، پھر قطعی واجماعی احکام اور اجتہادی احکام میں بھی فرق ہے، پھر اجتماعی احکام میں فرائض وواجبات اور محرمات ومکروہات بھی ایک درجہ کے نہیں ہیں، ان میں فرق ملحوظ نہ رکھا جائے تو افراط یا تفریط کا شکار ہونا پڑے گا۔

سلف صالح مدارج احکام سے بھی مکمل طور پر باخبر تھے، ان کے قلوب اخلاص سے معمور تھے، ان میں باہم متعدد فروعی مسائل میں اختلافات تھے، مگر تمام تر اختلاف رائے وفکر کے باوجود ان کے ہاں دوسرے کا مکمل احترام وپاس بھی تھا، اس لئے انہوں نے اختلاف کو کبھی عناد اور منافرت کی سطح تک پہونچنے نہیں دیا۔

اسلام کے دور اوّل کو دیکھئے: خود حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے درمیان مختلف مسائل میں اختلاف تھا، حضرت ابوبکرؓ مانعین زکوۃ سے جہاد پر پورے شرح صدر کے ساتھ مصر تھے، ابتداء میں حضرت عمرؓ اس رائے کے خلاف تھے، (گو بعد میں انہوں نے اپنی رائے بدلی) وظائف مقرر کرنے کے باب میں حضرت ابوبکرؓ کا موقف مساوات کا جبکہ حضرت عمرؓ کا موقف فرقِ مراتب ملحوظ رکھے جانے کا تھا، مرتدین کی عورتوں کو مملوک بنائے جانے کے مسئلے میں حضرت ابوبکرؓ مثبت موقف رکھتے تھے، جب کہ حضرت عمرؓ کی رائے اس کے برعکس تھی، مفتوحہ اراضی کے مسئلہ میں بھی دونوں کی رائیں الگ الگ تھیں۔

لیکن ان سب کے باوجود باہمی احترام وتعلق کا عجب عالم تھا، حضرت عمرؓ نے یہاں تک فرمایا: خدا کی قسم: ابوبکر کی ایک رات کی عبادت عمر اور آل عمر کی پوری زندگی کے عمل سے بہتر ہے۔ (حیاۃ الصحابۃ: ۱/۶۴۶)

دور صحابہ وتابعین میں، اسی طرح ائمہ متبوعین میں اور تمام علمائے سلف میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو موجودہ حالات میں تمام علماء اور خدام دین کے لئے خضر طریق اور مشعل راہ ہیں۔

مشہور مخلص قائد شیخ حسن البنا شہید (مصر) کے واقعات میں ہے کہ ایک علاقے میں جہاں تراویح (کی رکعات) کا مسئلہ مسلمانوں کے دو طبقات میں بہت بڑے معرکے کی صورت اختیار کر گیا تھا (واضح رہے کہ ہمارے ملک واطراف میں بطور خاص آج بھی یہ مسئلہ باہمی آویزش کا بہت بڑا سبب بنا رہتا ہے) شیخ نے دونوں طبقات کو جمع کر کے بہت درد کے ساتھ فرمایا: بتائیے! نماز تراویح کا شرعی حکم کیا ہے؟ سب کا جواب یہی تھا کہ یہ نماز سنت ہے، شیخ نے پھر فرمایا: مسلمانوں میں باہم اخوت قائم رکھنا اور جدال وافتراق نہ ہونے دینا شرعاً کیسا ہے؟ سب نے کہا یہ بنیادی دینی اور ملی فریضہ ہے، شیخ نے فرمایا: بتائیے: کیا شریعت میں یہ گنجائش ہے کہ ایک سنت کے لئے ہم ایسے فریضے کو ترک کر دیں اور نظر انداز کر دیں جو وقت کا اولین تقاضا ہے؟

واضح ہوا کہ افراط وتفریط، غلو، تشدد اور تعصب سے مکمل اجتناب، اعتدال وتوازن کی کامل رعایت، احکام شرعیہ کے مدارج ومراتب کے ادارک اور انہیں پیش نگاہ رکھے بغیر وحدت امت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا، اور اس کے بغیر باہمی فروعی اختلاف کو منافرت کی سطح تک پہونچنے سے روکا بھی نہیں جا سکتا۔

## (۳) خدمت دین کے دیگر شعبوں کو فریق سمجھنا

تیسری قابل توجہ چیز یہ ہے کہ دین کی خدمت کے تمام شعبے باہم رفیق ومعاون ہیں، انہیں اپنا فریق ومزاحم سمجھنا یا ان کے ساتھ تفریق کا برتاؤ کرنا آج کے حالات میں وحدت امت کے راستے کی بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

غور فرمایا جائے، ہر دور میں اہل حق کی خدمت دین کے راستے، میدان، محاذ اور گوشے الگ الگ رہے ہیں، خدمت دین کا ایک میدان تعلیم وتعلم ہے، دوسرا میدان مسلمانوں میں امر بالمعروف، نہی عن المنکر، دعوت وتبلیغ کا کام ہے، تیسرا میدان غیر مسلموں میں دعوت دین کا عمل ہے، چوتھا میدان اصلاح وارشاد وتزکیہ وتربیت کا خانقاہی نظام ہے، پانچواں میدان باطل وکفر کا تعاقب اوران کی مغالطہ انگیزیوں کا رد ہے، چھٹا میدان تقریر و وعظ کا مشغلہ ہے، ساتواں میدان تحریر وتالیف کا شغل ہے، آٹھواں میدان ملی ورفاہی خدمات کا عمل ہے، ان کے علاوہ اور بھی میدان ہیں، واقعہ یہ ہے کہ یہ سارے کام انتہائی اہم ہیں، اللہ اپنی سنت کے مطابق خدمت دین کے ان تمام شعبوں کو زندہ وباقی رکھنا چاہتا ہے، اس لئے تکوینی طور پر کسی کو ایک شعبے کے لئے، کسی کو دوسرے شعبے کے لئے، کسی کو ایک میدان میں کام کرنے کے لئے اور کسی کو حسب توفیق ایک سے زائد میدانوں میں کام کے لئے منتخب فرمالیتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے بقول ہماری اصل غلطی راستوں کو منزل سمجھ لینا ہے، اگر دین کے کسی شعبے کا خادم اپنی محنت کو راہ خدمت کے بجائے اصل منزل سمجھ لے گا تو اس کا وہی نتیجہ برآمد ہوگا جس کا منظر ہمارے سامنے ہے کہ پھر وہ دوسرے میدانوں کے خدام کو اپنا فریق سمجھنے لگے گا، اسے اپنے حق ہونے اور دوسروں کے باطل ہونے پر اصرار ہوگا۔

وحدت امت کی فضا سازگار بنانے کے لئے تمام خدام دین کو یہ سمجھنا ہوگا کہ مختلف شعبوں کی تمام خدمتیں منزل نہیں ہیں، راستے ہیں، سب کی اصل منزل ''اعلاء کلمۃ اللہ'' ایک ہے، بقول عربی شاعر ؎

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَ حُسْنُکَ وَاحِدُ
وَ کُلٌّ إِلٰی ذَاکَ الْجَمَالِ یُشِیْرُ

محبوب کا حسن ایک ہے، اظہار حسن کے لئے عبارتیں اور اسلوب مختلف ہیں، سب کا مقصد ایک ہی حسن کا بیان وتوصیف ہے۔

## (۴) سب وشتم اور نقد وتنقیص

وحدت امت کے راستے کی بہت نمایاں رکاوٹ زبانِ نقد وتنقیص کی بے لگامی ہے، اور اس چیز نے آتشِ اختلاف کو بہت ہوا دی ہے، دین کی اولین نمائندہ شخصیات (صحابہ، تابعین، ائمہ متبوعین) تو ہر لحاظ سے واجب الاحترام ہیں، ان کی بے توقیری، ان کی تنقیص اور ان کی شان میں گستاخی عام اہل ایمان کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوتی ہے، اور ملت کے جو طبقات یا افراد شعوری یا غیر شعوری طور پر ان اسلاف کے لئے ناروا الفاظ کا استعمال کرتے ہیں وہ اپنی عاقبت خراب کرنے کے ساتھ تفریق بین المسلمین کے دشمنانہ کاز کو طاقت بھی پہونچا دیتے ہیں، اس لئے اس تعلق سے حساسیت اور کامل احتیاط کا دامن تھامے بغیر امت وحدت کی راہ پر نہیں آسکتی۔

سیرت نبویہ میں غیر مسلموں کے بارے میں اس درجہ خیال و پاس کے نمونے موجود ہیں کہ ان کے آباء وا کابر اور بڑوں کے بارے میں کف لسان کیا جائے اور ان کی دل آزاری کا سبب نہ بنا جائے، ابولہب کی بیٹی کے قبول ایمان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بلا وجہ ابولہب کو برا کہنے سے منع فرمایا، قرآن نے ''سدذریعہ'' کے طور پر مشرکین کے معبودان باطل تک کو سب وشتم کرنے سے روکا ہے۔ (الانعام/ ۱۰۸)

جب غیر مسلموں کے تعلق سے یہ ہدایات ہیں تو خود وہ لوگ جو مسلمانوں کے کسی مسلک یا مشرب کے حاملین کے ہاں عقیدت واعتماد کا مرکز ہیں ان کے بارے میں کف لسان اور ان کی تنقیص اور سب وشتم سے کلی اجتناب کس درجہ ضروری قرار پاتا ہے، موجودہ

حالات میں ملی وحدت کے قیام کے لئے اس پہلو کی رعایت سب سے زیادہ ضروری ہے۔

## (۵) مشترک اقدار کے بجائے اختلافی پہلوؤں کی طرف توجہ

فکر، رائے، مشرب، مسلک اور نظریہ میں واضح اختلاف کے باوجود باہمی اتحاد واشتراک کی فضاء قائم کرنے کے لئے ایک بنیاد یہ ہے کہ تمام خدام دین اختلافی پہلوؤں کے بجائے ان امور کو پیش نگاہ رکھیں جو قدر مشترک کا مقام رکھتے ہیں، دیگر مذاہب میں مختلف فرقوں کے درمیان مشترک اقدار بہت کم ملتی ہیں، مگر اسلام کے حاملین کے مختلف فرقوں میں مشترک اقدار بہت زیادہ ہیں، ان کو بنیاد بنا کر امت مجتمع ہوسکتی ہے۔

امت کے باہمی فروعی اختلافات کا خاتمہ تو ناممکن ہے، لیکن "نَتَعَاوَنُ فِيمَا نَتَّفِقُ" (مشترک امور میں اشتراک وتعاون) کا اصول پیش نظر رکھا جانا بنیادی ضرورت ہے، جب قرآن اہل کتاب کو "کلمة سواء" کے نقطۂ وحدت واشتراک پر آنے کی دعوت دے رہا ہے۔ (آل عمران/۶۴) پھر کیا وجہ ہے کہ آج خدام دین اپنے اہل کلمہ بھائیوں کو مشترک اقدار کے لئے اکٹھا کرنے میں پس وپیش سے کام لیں؟

ہندوستان میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اسی فکر کے ساتھ اجتماعیت کی کامیاب، مؤثر اور بارآور کوشش کی ہے، ضرورت ہے کہ اس پودے کو تناور درخت کی شکل دی جائے، اس کے بغیر باہمی خلیجوں اور فاصلوں کا سمٹنا بہت مشکل ہے۔

## (۶) دعوت دین سے غفلت

وحدت امت کے لئے ایک بہت فکر انگیز پہلو یہ ہے کہ خدام دین کی اصل صلاحیتیں ایسی تعمیری، مثبت اور اساسی مہم اور مشن میں صرف ہونے لگیں جو انکی توجہ عناد تک پہونچانے والے فروعی اختلافات سے بالکل ہٹادیں، غور کیا جائے تو آج مسلمانوں کے لئے اپنی

صلاحیتوں کو صرف کرنے کا اہم میدان غیروں میں دعوت دین کا ہے، اگر خدام دین اپنے مسلکی اختلافات کے بجائے اس اہم اور ضروری مشن کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر لیں تو ایک طرف حق کے متلاشی افراد کے لئے گوہر مطلوب کی فراہمی کا کام بھی ہوگا، اسلام کے تعلق سے مغالطہ انگیزیوں کے پردے چاک بھی ہوں گے، اور دوسری طرف خدام دین کی قوتیں صحیح سمت میں استعمال ہو کر امت کے لئے تفریق و انتشار کی لعنت سے حفاظت کا ذریعہ اور وحدت امت کے قیام کا باعث بھی ثابت ہوں گی۔

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے حکم دیا ہے:

**إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِيْ رَحْمَةً لِلنَّاسِ كَافَّةً، فَأَدُّوْا عَنِّيْ وَ لَا تَخْتَلِفُوْا.**

اللہ نے مجھے پوری انسانیت کے لئے رحمت بنا کر مبعوث کیا ہے،

میرا پیغام سب کو پہونچا دو، اور اختلاف کا شکار مت ہونا۔

اس پر صحابہ نے اختلاف سے بچنے کا عہد بھی کیا۔

غور کیا جائے تو اس حدیث میں دعوت دین کی تلقین کے ساتھ یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ اس عمل میں انتشار و اختلاف کی نحوست ختم کر کے امت کو وحدت و اخوت کی منزل پر لانے کی مکمل تاثیر موجود ہے، آج دعوت دین کے فریضے سے جو مجرمانہ کوتاہی پائی جا رہی ہے، ہماری صفوں کے انتشار میں بہت بڑا کردار اس کا بھی ہے۔

## حاصل

یہ چند بنیادی نکات مختصراً ذکر کئے گئے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ایک عرب مفکر کے بقول:

**إِنَّ أَقْتَلَ أَدْوَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ دَاءُ الْاِخْتِلَافِ، وَإِنَّ أَنْفَعَ الْأَدْوِيَةِ دَوَاءُ الْاِتِّحَادِ.**

مسلمانوں کا سب سے مہلک مرض اختلاف وافتراق ہے، اور اس مرض کی سب سے کارگر دوا اتحاد کو ہر صورت میں قائم کرنا ہے۔

امت کے شیرازہ کے بکھراؤ نے ہر جہت سے امت کو ذلیل اور کمزور کر دیا ہے، بقول عربی شاعر ؎

أَنّٰی اتَّجَهْتَ إِلیٰ الإِسْلاَمِ فِیْ بَلَدٍ
تَجِدْهُ کَالطَّیْرِ مَقْصُوْصاً جَنَا حَاهُ

ہر علاقے میں مسلمانوں کی مثال اس پرندے کی سی ہے جس کے پر کتر دئے گئے ہوں اور اسے محرومِ پرواز کر دیا گیا ہو۔

اپنی عظمت ووقار کی بازیابی اور بحالی کا صرف ایک فارمولہ ہے کہ پوری ملت مسالک ومشارب کے اختلافات اور فروق سے بالاتر ہو کر وسیع تر ملی مفاد کی خاطر متحد ہو جائے اور اس راہ میں جو بھی، جتنی بھی اور جیسی بھی رکاوٹیں آئیں، حوصلے اور قوت ارادی کے ساتھ اپنے ذاتی، وقتی اور عارضی مفادات کی پرواہ کئے بغیر ان کا خاتمہ کیا جائے، اس لئے کہ کتاب واحد (قرآن) کی حامل اور نبی واحد (محمد عربی ﷺ) کی متبع امتِ ''واحدہ'' کی اصل شناخت ہی اس کی ''وحدت'' ہے، اور اپنی شناخت کھو دینے سے بڑی محرومی کیا ہو سکتی ہے؟

❑❑❑

# نصرتِ خداوندی کے حصول کی اساسی شرطیں

ناموافق موجودہ حالات میں امت کن تدبیروں سے حالات کو اپنے حق میں ساز گار کرسکتی ہے اور کس طرح اللہ کی نصرت کی مستحق ہوسکتی ہے، اس کی کچھ وضاحت اس مضمون میں کی جارہی ہے۔

قرآن وسنت پر کامل یقین رکھنے والے افراد یہ سمجھتے ہیں کہ نصرت وغلبہ خدائے واحد کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم رکھتا ہے۔

قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

**وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ.** (آل عمران: ١٣)

اللہ اپنی فتح ونصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے۔

نصرتِ خداوندی کے حصول کے لئے چند شرائط اور اساسیات ہیں، اور انہیں شرائط کے پورے ہونے پر اللہ کی مدد موقوف رہتی ہے، اہل ایمان پر اگر اللہ کی مدد نہیں آرہی ہے تو اس کی بنیادی وجہ مدد خداوندی کے حصول کی شرائط پوری نہ کرنا ہے۔ ذیل میں مختصراً وہ شرائط ذکر کی جارہی ہیں جو مددِ خداوندی کے حصول کے لئے لازمی ہیں۔

## (۱) قوتِ عقیدہ

مسلمان جب عقیدۂ ایمانی کی پختگی اور استحکام کے ساتھ میدانِ عمل میں قدم رکھتا ہے

تو کامیابی اس کا قدم چومتی ہے، جب تک مسلمان خدائے واحد کی قوت وقدرت اور اس کی طرف سے ملنے والے اجر وثواب پر کامل یقین نہیں رکھے گا اس وقت تک وہ فتح وکامرانی سے ہم کنار نہ ہو سکے گا۔ قرآنِ کریم کہتا ہے:

وَلاَ تَهِنُواْ فِي ابْتِغَاء الْقَوْمِ إِن تَكُونُواْ تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللّهِ مَا لاَ يَرْجُونَ وَكَانَ اللّهُ عَلِيماً حَكِيماً. (النساء: ١٠٤)

تم مخالف قوم کے تعاقب میں ہمت نہ ہارو، اگر تمہیں دکھ پہنچا تو وہ بھی دکھ اٹھائے ہوئے ہیں جیسے تم دکھ اٹھائے ہوئے ہو، اور تم اللہ سے وہ امید لگائے ہوئے ہو جو وہ نہیں رکھتے (یعنی اجرِ آخرت کی امید جس کے مقابل کوئی چیز مخالفوں کے پاس نہیں ہے، تم قلب کی قوت کے لحاظ سے اُن سے کہیں فائق ہو) اور اللہ تو ہے ہی بڑا علم والا بڑا حکمت والا۔

مزید ارشاد ہے:

وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ. (آل عمران: ١٣٩)

اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن رہے۔ (عقیدہ مستحکم رہا)

اس آیت میں علو وغلبہ کے لئے ثباتِ ایمانی اور استحکامِ عقیدہ کی شرط بتائی گئی ہے۔

## (۲) مقابلے کی تیاری

مادی وجسمانی معرکہ ہو یا فکری وتہذیبی اور قلبی ودماغی، اسلام حکم دیتا ہے کہ اس کے لئے پہلے سے تیاری اور صف بندی ضروری ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ. (الانفال: ٦٠)

اپنے مقدور بھر قوت پیدا کر کے دشمنوں کے مقابلے کے لئے تیار رہو۔

مولانا آزاد کے بقول:

''مسلمانوں کواس بارے میں جوحکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے مقدور کے مطابق جو کچھ کرسکتے ہیں کریں، اور اداءفرض کے لئے آمادہ ہوجائیں، اگر مسلمانوں نے اس آیت کی روح کو سمجھا ہوتا تو اس اپاہج پنے میں مبتلا نہ ہوتے جو ڈیڑھ سو برس سے تمام مسلمانانِ عالم پر طاری ہے''۔

(ترجمان القرآن ۳/۲۰۸)

آیت کریمہ میں ''قوت'' کا لفظ بالکل عام اور وسیع مفہوم رکھتا ہے اور ہر طرح کے حالات میں ہر طرح کے معرکے میں ہر طرح کی تیاری کو محیط ہے۔

## (۳) اتحاد

امت کی سب سے بڑی کامیابی اتحاد اور شیرازہ بندی ہے، اور سب سے بڑی ناکامی اختلاف وافتراق ہے، کسی بھی میدان میں بام عروج تک پہنچنے اور کوئی بھی معرکہ سر کرلینے کے لئے کلیدی اہمیت اتحاد کی ہے۔قرآنِ کریم میں ہے:

**إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُونَ فِيْ سَبِيْلِهِ صَفّاً كَأَنَّهُم بُنيَانٌ مَّرْصُوصٌ.** (الصف: ٤)

اللہ ان لوگوں کو چاہتا ہے جو اس کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف بستہ ہوکر لڑتے ہیں۔

جن کا امتیاز یہ ہوتا ہے کہ ان کے عقیدہ ومقصد میں مکمل اتحاد وہم رنگی ہوتی ہے، ایک دوسرے کے خلوص پر اعتماد ہوتا ہے، ناپاک اغراض سے وہ پاک ہوتے ہیں، اخلاق کے اعلیٰ معیار پر قائم رہتے ہیں، اپنے مقصد کی لگن اور عشق کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں، سرفروشی وجاں بازی ان کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔

مزید فرمایا گیا:

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ. (الانفال: ٤٦)

آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ ناکام ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

صراحت کردی گئی ہے کہ انتشار کا لازمی نتیجہ پست ہمتی، ناکامی ہے، اور اس کی بنیاد پر آدمی منزل مقصود سے محروم ہوجاتا ہے۔

## (۴) صبر واستقامت

غلبہ وکامیابی کے لئے کثرتِ تعداد کی اہمیت نہیں، اصل اہمیت صبر واستقامت کی ہے، قرآن میں اس اصولی حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے: ''بہت سی ایسی چھوٹی جماعتیں ہیں جو بحکم خداوندی بڑی جماعتوں پر غالب آ گئیں، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔ (البقرہ ۲۴۹)

اسی لئے قرآن کی بے شمار آیات میں صبر واستقامت کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سابق میں کامیاب اہل حق کی کامیابی اصلاً صبر واستقامت ہی کی مرہونِ منت رہی ہے، خود حضور اکرم ﷺ نے راہِ حق وجہاد میں بے حد دشواریاں اٹھائیں، زخمی ہوئے اور چہرہ خون آلود ہوا، مگر آپ ﷺ نے صبر واستقامت کو اپنا شعار بنایا اور اسی طاقت نے آپ کو ہر معرکۂ زندگی میں فتح وغلبہ عطا کیا۔

## (۵) قیادت کی اہلیت

کامیابی کے حصول کی ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ قیادت کے منصب پر فائز افراد قائدانہ صلاحیت اور جوہر رکھتے ہوں، قرآن میں طالوت کی بادشاہت کا ذکر آیا ہے، اور اس میں موجود تین خصوصیات کا ذکر بھی کیا گیا ہے، اور اس طرح قوم پر اس کی قائدانہ صلاحیت

آشکارا کی گئی ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ یہ اللہ کا انتخاب ہے جس میں کسی کو اعتراض کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔

(۲) اسے سپہ داری وملک گیری کے فنون سے خوب واقفیت ہے، اس میں علمی، دماغی اور فکری قابلیت بدرجۂ اتم ہے۔

(۳) اسے جسمانی قوت وتوانائی بھی حاصل ہے جس سے ہر معرکے میں وہ خوب فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ قائدانہ منصب پر متمکن ہونے کا اہل وہی ہے جو علمی وجسمانی دونوں قابلیت رکھتا ہو، ساتھ ہی نگاہِ بلند کا حامل ہو، دوراندیشی اور بصیرت اس کا امتیاز ہو، اور شیریں مقالی اور سحر بیانی اس کا جوہر ہو، اور مقصد کے لئے لگن، عشق اور جاں سوزی کا جذبہ ہو۔ بقول اقبالؒ ؎

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

## (۶) اخلاص اور بے لوثی

کسی بھی عمل صالح کی مقبولیت اور باعث اجر ہونے کا دارومدار حسن نیت اور اخلاص پر ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک دیہاتی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ کچھ لوگ مالِ غنیمت کے لئے جہاد کرتے ہیں، کچھ لوگ شہرت کے لئے جہاد کرتے ہیں، اور کچھ لوگ اپنی بہادری کے مظاہرہ کے لئے جہاد کرتے ہیں، کونسا جہاد اللہ کی راہ میں ہے اور معتبر ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.** (بخاری: کتاب العلم)

جو شخص اس لئے جہاد کرتا ہے؛ تا کہ اللہ کا بول بالا ہو اور دین غالب

ہو، اس کا جہاد اللہ کی راہ میں ہے اور معتبر ہے۔

معلوم ہوا کہ کامیابی اور غلبے اور کسی بھی عمل صالح کی مقبولیت عنداللہ کے لئے اخلاص کلیدی شرائط میں سے ہے۔

## (۷) توبہ واستغفار

اپنے گناہوں کا استحضار، ان پر ندامت، اور اللہ سے بصدقِ دل توبہ واستغفار ایمان کے لوازم میں سے ہے، ساتھ ہی کسی بھی میدانِ زندگی میں کام یابی کی شرائط میں سے بھی ہے۔ سورۃ البقرہ کے آخر میں اللہ نے اہل ایمان کو استغفار اور دعا کے الفاظ سکھائے ہیں۔

**وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنتَ مَوْلاَنَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ.** (البقرة: ٢٨٦)

ہم سے درگذر فرما، ہم پر رحم کر، تو ہمارا مولیٰ ہے، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔

اسی طرح میدانِ جہاد میں جہاد سے پہلے، جہاد کے بعد، دورانِ جہاد، حتی کہ عین صف بندی کے موقع پر بھی رجوع الی اللہ اور استغفار ضروری چیز ہے۔

قرآن میں وارد ہوا ہے:

**وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُواْ لِمَا أَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ وَمَا ضَعُفُواْ وَمَا اسْتَكَانُواْ وَاللّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَ، وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلاَّ أَن قَالُواْ ربَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ، فَآتَاهُمُ اللّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الآخِرَةِ وَاللّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ.** (آل عمران: ١٤٦-١٤٨)

کتنے ہی نبی ایسے گذر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی، اللہ کی راہ میں جو مصائب ان پر پڑے، اُن سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے، انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وہ باطل کے آگے سرنگوں نہیں ہوئے، ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے، اُن کی دعا بس یہ تھی کہ: ''اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگذر فرما، ہمارے کام میں تیری حدود سے جو کچھ تجاوز ہوگیا ہو اسے معاف کردے، ہمارے قدم جمادے، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر''۔ آخر کار اللہ نے اُن کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور اُس سے بہتر ثوابِ آخرت بھی عطا کیا، اللہ کو ایسے ہی نیک عمل لوگ پسند ہیں۔

میدانِ جہاد میں غلبہ وکامرانی کے بعد بھی دعا واستغفار ضروری ہے؛ تاکہ حاصل شدہ غلبہ کبر، نخوت، اور غفلت میں مبتلا نہ کرسکے۔ سورۂ نصر میں رسول اکرم ﷺ کو بلا واسطہ اور پوری امت کو بالواسطہ اسی کی تلقین ہے۔

إِذَا جَاء نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ، وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ اللَّهِ أَفْوَاجاً ، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّاباً. (النصر)

جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح نصیب ہوجائے اور آپ دیکھ لیں کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہورہے ہیں، تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے، اور اس سے مغفرت کی دعا مانگئے، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

## (۸) اللہ پر اعتماد

توکل اور اللہ پر اعتماد کامیابی کی کلید ہے۔ قرآنِ کریم میں وارد ہوا ہے:

إِنْ يَنصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلاَ غَالِبَ لَكُمْ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِيْ يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ.

(آل عمران: ١٦٠)

اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں، اور وہ تمہاری مدد چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو؟ پس جو سچے مؤمن ہیں اُن کو اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

اللہ کی قدرت پر اعتماد ایک مجاہد کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، صحابہ کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُواْ لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَاناً وَقَالُواْ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ.

(آل عمران: ١٧٣)

سچے مؤمن وہ ہیں جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں، اُن سے ڈرو، تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

قرآن کریم ہی سے واضح ہوتا ہے کہ جب مجاہدین کا اعتماد خدا سے ہٹ کر اپنے زور باز، اپنی کثرتِ تعداد اور اپنے مادی وسائل پر ہو جاتا ہے، تو پھر ناکامیوں کا آغاز ہو جاتا ہے۔ غزوۂ حنین میں ابتدائی مرحلے میں ایسا ہی ہوا تھا، قرآن کہتا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئاً وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِيْنَ، ثُمَّ أَنزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهُ

عَـلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَأَنزَلَ جُنُوداً لَّمْ تَرَوْهَا وَعذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ وَذَلِكَ جَزَاء الْكَافِرِيْنَ، ثُمَّ يَتُوبُ اللّهُ مِن بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَن يَشَاءُ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ. (التوبة: ۲۵-۲۷)

اللہ بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کر چکا ہے، اور جنگ حنین کے موقع پر بھی جب کہ تم اپنی کثرت پر اِترا گئے تھے، تو تمہاری کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور اہل ایمان پر اپنی جانب سے دل کا سکون وقرار نازل فرمایا اور ایسی فوجیں اتار دیں جو تمہیں نظر نہیں آتی تھیں، اور کافروں کو عذاب دیا، یہی سزا ہے منکرین حق کی، پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق بخش دے گا، اور اللہ بہت معاف کرنے والا، مہربان ہے۔

واضح کر دیا کہ کثرتِ تعداد کا غرہ انسان کو اللہ کے بجائے اسباب ووسائل پر اعتماد کا عادی بنا دیتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ کا بھروسہ کمزور ہو جائے تو بڑی سے بڑی تعداد اور زیادہ سے زیادہ اسباب ووسائل سب خس وخاشاک بن جاتے ہیں اور شکست ان کا مقدر ہو جاتی ہے۔

## (۹) تقویٰ

قرآنِ کریم میں دسیوں مقامات پر یہ وضاحت آئی ہے کہ اللہ کی مدد، معیت، حفاظت وتائید اہل تقویٰ کے ساتھ ہے۔ فرمایا گیا:

وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ. (التوبة: ۱۲۳)

جان لو کہ اللہ خدا ترسوں کے ساتھ ہے۔

حضرت عمر نے اہل فارس سے جہاد کے لئے حضرت سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں فوج روانہ کی تو یہ وصیت بھی کی کہ: ''میں تم سب کو بہرحال تقویٰ پر جمے رہنے کا حکم دیتا ہوں؛ کیوں کہ تقویٰ سب سے بڑی جنگی تدبیر اور دشمن کے مقابلے میں سب سے کارگر ہتھیار ہے''۔

## (۱۰) اللہ کا ذکر

اہل ایمان کو حکم ہے:

**إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُواْ وَاذْكُرُواْ اللّهَ كَثِيراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.** (الانفال: ٤٥)

جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہوتو ثابت قدم رہو اور بکثرت اللہ کا ذکر کرو؛ تاکہ کامیابی تمہارے قدم چومے۔

اطمینانِ قلب، ثابت قدمی، استقامت اور رضائے الٰہی کا قوی ترین ذریعہ ذکر الٰہی ہے، اسی لئے عملی میدان میں ہر سرگرمی کے وقت اس کی اہمیت اور افادیت مسلم ہے۔

اللہ کی مدد کے حصول اور کامیابیوں سے سرفرازی کے لئے یہ دس شرائط ہیں جو اساسی اور کلیدی اہمیت رکھتی ہیں۔

❑❑❑

# مصنف کی مطبوعہ علمی کاوشیں

## ● اسلام میں عفت وعصمت کا مقام

یہ کتاب عفت وعصمت کے موضوع پر انتہائی تفصیلی اوراہم پیش کش ہے، اپنے مندرجات کی جامعیت اورنصوص کی کثرت کی بنیاد پر اپنے موضوع پر اردو زبان میں انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، ملک وبیرونِ ملک کے اکابر علماء کے تأثرات وتقریظات سے آراستہ ہے۔ مختصر سے عرصہ میں اس کے پانچ ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں، یہ کتاب بجا طور پر اس قابل ہے کہ عوام وخواص، علماء وعوام، مرد وعورت سبھی اس کو اپنے مطالعہ میں رکھیں۔

## ● بیانات سیرت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ کتاب موجودہ حالات میں سیرت نبویہ کے فکر انگیز پیغام اور گوشوں کو واضح کرنے والی مکمل، مدلل، مرتب، جامع اور موثر سیرت طیبہ سے متعلق چار مفصل بیانات پر مشتمل ہے، اور قرآن وحدیث کی روشنی میں حسن ترتیب کے ساتھ پوری سیرت کو اس کتاب میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے، عوام وخواص ہر ایک کے لئے یکساں طور پر افادیت کی حامل اور قابل مطالعہ ہے۔

## ● اسلام میں صبر کا مقام

یہ کتاب صبر کے موضوع پر ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، فاضل مصنف نے اس کتاب میں جدید اسلوب میں قرآن وحدیث، آثار صحابہ کی روشنی میں صبر کے مقام، اس کی اہمیت اور ضرورت کے متعدد پہلوؤں کو کافی شرح وبسط کے ساتھ واضح کیا ہے، صبر وشکر کے تقابلی تجزیے پر مصنف نے بے حد قیمتی باتیں تحریر کی ہیں، دور حاضر کے ہر نوجوان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

## ● ترجمان الحدیث

اس کتاب میں اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت واخلاق کے متعلق ڈیڑھ سو صحیح ترین احادیث نبویہ

کی مدلل اور عام فہم اسلوب میں عالمانہ تشریح کی گئی ہے۔ یہ کتاب بجا طور پر اس قابل ہے کہ اپنے مواد کی علمیت اور افادیت کی وجہ سے اسے مساجد اور اجتماعی مجالس میں سنایا اور پڑھایا جائے۔

## ● اسلام کی سب سے جامع عبادت نماز

اس کتاب میں نماز کی اہمیت، اقسام وانواع، خشوع کی شرعی حیثیت، خشوع کے مختلف طریقوں کا ذکر قرآن وسنت کی روشنی میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ خشوع کے موضوع پر جو فاضلانہ اور عالمانہ مفصل ومدلل بحث کی گئی ہے وہ اردو دنیا میں اپنی نوعیت کی منفرد چیز ہے، یہ کتاب ہر خاص وعام کے مطالعہ میں جگہ پانے کی اولین مستحق ہے۔

## ● اسلام اور زمانے کے چیلنج

موجود معاصر حالات کے تناظر میں مصنف کے اشہب قلم سے نکلی ہوئی پرسوز، پردرد اور واقعیت پسندی پر مبنی فکری تحریروں کا یہ مجموعہ موجودہ صورتِ حال میں ہر مسلمان کے لئے راہبر اور فکری غذا فراہم کرتا ہے، جو بات بھی لکھی گئی ہے باحوالہ اور نصوص کی روشنی میں ہے۔

## ● سیرتِ نبویہ قرآنِ مجید کے آئینے میں

یہ کتاب قرآن کی روشنی میں سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع اور روشن پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے، قرآنی سیرت کے موضوع پر یہ اردو زبان میں پہلی باضابطہ کتاب ہے، جس میں سیرت طیبہ کو تاریخی ترتیب کے ساتھ قرآنی بیان کے آئینہ میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، اسلوبِ بیان بے حد پرکشش اور اچھوتا ہے۔ کتاب کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

## ● عظمتِ عمر کے تابندہ نقوش

یہ کتاب عربی کے مشہور ادیب شیخ علی طنطاوی کی پراثر تحریر ''قصۃ حیاۃ عمر'' کی ترجمانی ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمے سے مزین ہے، کتاب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت وعبقریت کے نمایاں پہلو بہت دل نشیں اور ساحرانہ اسلوب میں اجاگر کئے گئے ہیں، سیرتِ عمر پر یہ کتاب عمدہ اور قابل قدر اضافہ ہے۔

## ● گناہوں کی معافی کے طریقے اور تدبیریں

یہ کتاب صحیح ترین احادیث نبویہ کی روشنی میں گناہوں کی معافی کے مختلف طریقوں کو محیط ہے، اس

میں گنہ گاروں کو مایوسی سے بچنے کی تاکید اور توبہ کی تحریک اور عمل صالح کی ترغیب ملتی ہے، ہر مسلمان نوجوان کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

## ● گلہائے رنگارنگ

تین جلدوں پر مشتمل یہ وقیع کتاب قرآن وسنت کی انقلابی تعلیمات، اصلاحِ قلب ونفس ومعاشرہ، اسلام کے خلاف پھیلائے گئے مغالطوں اور شکوک وشبہات کی مکمل اور مدلل تردید کو محیط عام فہم اور دل نشیں اسلوب میں بیش قیمت اور فکر انگیز تحریروں کا مجموعہ ہے۔اس کتاب کا پہلا اڈیشن بہت جلد مقبول ہوا، اب دوسرا اڈیشن زیر طباعت ہے۔

## ● مفکر اسلام: جامع کمالات شخصیت کے چند اہم گوشے

یہ کتاب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہٗ کی حیات وخدمات اوران کی تابندہ زندگی کے روشن نقوش اور نمایاں امتیازات کی جامع اور مکمل تصویر کشی ہے۔ کتاب حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ کے بیش قیمت مقدمات سے مزین ہے، متعدد اہل قلم کے تأثر کے مطابق مفکر اسلام کی شخصیت پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ کتاب اپنے مواد کی جامعیت، اسلوب کی دل کشی اور حسن بیان کے اعتبار سے انفرادی شان رکھتی ہے۔

## ● علوم القرآن الکریم

یہ کتاب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کی اردو تصنیف علوم القرآن کا عربی ترجمہ ہے۔ مترجم نے بہت سلیس اور شگفتہ عربی زبان میں کتاب کو اردو سے منتقل کیا ہے، شروع میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کا مقدمہ زینت کتاب ہے۔

## ● اسلام میں عبادت کا مقام

یہ کتاب عبادت کے موضوع پر انتہائی جامع اور محیط کتاب ہے، جس میں عبادت کے تمام پہلوؤں کا کتاب وسنت اور اقوال سلف کی روشنی میں تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔عوام اور خواص سب کے لئے یکساں مفید ہے۔

## ● اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت واخلاق

یہ کتاب معاشرتی اصلاح اور سیرت وکردار کی تعمیر کے تعلق سے بے حد مفید اور جامع کتاب ہے،

جس میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا ذکر بڑی تفصیل سے اور وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے، دور حاضر میں ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

## ● اسلام دین فطرت

یہ کتاب مذہب اسلام کے امتیازات اور اس کی انسانیت نواز تعلیمات کو واضح کرتی ہے، اس میں اسلام کی جامعیت، واقعیت، حقیقت پسندی، ربانیت، امن و اسلامتی، اخوت و وحدت، مساوات واجتماعیت جیسے متعدد اہم گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ہر باذوق کے لئے قابل مطالعہ ہے۔

## ● دیگر کتب:

- اختر تاباں (تذکرہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ)
- والد ماجد (تذکرہ حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحبؒ)
- شیخ الہند: حیات، خدمات و امتیازات
- مقام صحابہ اور غیر مقلدین
- اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن عناوین
- سچ اور جھوٹ کتاب وسنت کی روشنی میں ایک جائزہ
- اسلام کا جامع اور مؤثر ترین تعزیری نظام
- کچھ یادیں کچھ باتیں (تذکرہ حضرت مولانا مفتی محمد افضل حسین صاحبؒ)
- اسلام اور دہشت گردی
- بنیادی دینی اور تاریخی معلومات (اردو، ہندی)
- منشیات اور شراب: اسباب و محرکات، شرعی ہدایات، سدباب کی تدبیریں

## ● عربی کتب:

- علوم القرآن الكريم ○ وان المساجد لله
- لمعات من الاعجاز القرآني البديع
- اصول المعاش الاسلامی فی ضوء نصوص الكتاب والسنة......
- نظرة عابرة على القضاء والقضاة فی الاسلام
- بحوث علمية فقهية